اڑتیسواں سفر ۔ ایک عمرہ اَور

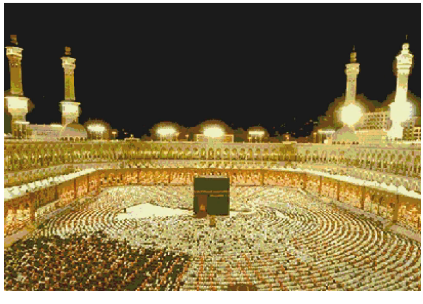

سفر تو ہماری قسمت میں ایسے لکھا ہے کہ جیسے پاؤوں میں چھچھوندر بندھی ہو۔ یہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ہمارے بیٹے اعجاز، اپنی بیگم اور دونوں بچوں کے ساتھ عمرہ کا ارادہ کر رہے تھے اور نومبر ۱۹۹۹ء میں وہاں جانے کا ارادہ ہو رہا تھا۔

اُس زمانے میں سعودی عرب میں یہ قانون تھا کہ عمرہ کا ویزا لیں تو سوائے جدّہ، مکّہ اور مدینہ کے کسی اور شہر میں نہیں جا سکتے تھے۔ اعجاز نے بہت کوشش کی ہمیں ریاض کا بھی ویزا مل جائے تا کہ یہ اپنی بہن سیما سے مل سکیں، لیکن کوشش ناکام رہی۔ سیما امریکہ میں وی اے ہسپتال میں ریسرچ کی ملازمت ختم کر کے اپنے شوہر کے ساتھ ریاض چلی گئی تھیں اور وہیں مقیم تھیں۔ یہ طے ہوا کہ سیما ہی اپنے خاندان کے ساتھ مدینہ آ کر اعجاز کے ساتھ زیارات کر لیں۔ اب سنا ہے کہ امریکی شہریوں کے لئے یہ قانون نہیں رہا اور امریکی شہری ایک بار سعودی ویزا لیں تو کسی بھی شہر جا سکتے ہیں۔ یہ کیوں ہے، اور صرف امریکیوں کے لئے کیوں ایسا

مناسب ہے، اس سے تو سب واقف ہیں۔

انہی باتوں میں نومبر آ گیا۔ جانے سے کچھ ہی دن پہلے ہمارے بیٹے اعجاز نے کھانے کے دوران ہم سے پوچھا کہ اگر ہم جانا چاہیں تو ہم بھی چلیں۔ نیکی اور پوچھ پوچھ؟ فوراً فایئو اسٹار ٹریولز کی مالکہ رخسانہ کو فون ملایا اور ان سے اپنا مقصد بیان کیا۔ انہوں نے پاسپورٹ اور تصویریں منگوائیں اور ہمیں بھی ویزا مل گیا۔ لفت ہنزا سے نشستیں مخصوص ہوئیں اور مکّہ ٹاور ہوٹل میں کمرے مخصوص ہو گئے۔

۱۷ر نومبر ۱۹۹۹ء کو پرواز تھی۔ بازار سے سفید کپڑا خریدا اور اپنے اور اپنی بہو کے لئے احرام مقنہ کی چادریں بنائیں۔ پوتی اور پوتے کے لئے شلوار قمیض بنی۔ پوتی ابھی صرف سات سال کی تھیں، ان کے لئے بھی حجاب تیار ہوا۔ اب ۱۷ر نومبر کا انتظار تھا۔ یہ عمرہ یا حج کے لئے ہمارا تیسرا سفر تھا، یا تیسری طلبی تھی۔ اس سے پہلے ہم مارچ ۱۹۷۹ء میں پہلی مرتبہ پاکستان سے اپنے بیٹے شمس کے ساتھ گئے تھے، اور دوسری مرتبہ لاس انجلس سے اپنے رشتہ دار بھائی اور بھاوج کے ساتھ جولائی ۱۹۸۹ء میں گئے تھے۔ یہ نومبر ۱۹۹۹ء تھا۔ یعنی ہم ہر دس سال کے بعد سعودی عرب میں زیاراتِ مقدسّہ کر رہے تھے۔

رات گئے نہا دھو کر تیار ہوئے۔ صبح ۱۰ر بجے گھر سے نکلنا تھا۔ ہمارے ۲ر سالہ پوتے محسن کپڑے اور روئی سے بنے ایک ڈاگی کتّے کو بہت پیار کرتے تھے اور اِسے گود میں ساتھ لے کر سوتے تھے۔ اب سوال یہ تھا کہ اِس سفر میں کیا ہوگا؟ کیونکہ کتّے کو نہ لے گئے تو اِن کا سونا دُوبھر، اور اگر لے گئے تو وہاں کیا ہوگا جہاں پر اِس کی رسائی ناممکن ہے۔ اسے بھی واشنگ مشین میں اچھی طرح غسل کروایا گیا۔ بعد ازاں دو رکعت نمازِ نفل پڑھی اور دیگر اعمالِ سفر سے فارغ ہو کر نکلے۔ ائیر پورٹ پہنچے تو ہماری پوتی علینہ کو یاد آیا کہ اِن کے ہوم ورک کے کاغذات گھر پر ہی رہ گئے تھے۔ علینہ نے اپنے اسکول سے چھٹی لی ہوئی تھی اس لئے ان کی استانی نے انہیں خاص کام دیا تھا۔ وہ کام یہ تھا کہ یہ جہاں جائیں اس جگہ کے بارے میں تفصیل لکھیں۔ اب یہ رو رو کر ہلکان ہوں کہ گھر واپس چلیں اور یہ کاغذات اٹھائیں۔ اتنا وقت تو نہیں تھا، لہذا اُن کے چچا شمس نے وعدہ کیا کہ وہ یہ کاغذات مکہ کے ہوٹل میں فیکس کر دیں گے۔

لفت ہنزا کی پرواز سان فرانسسکو سے فرینکفرٹ کے لئے چلی۔ اس مرتبہ فرینکفرٹ میں جہاز بدلنا تھا۔ ہمیں وہیل چیئر لینا پڑی اور یہ لوگ پیدل چلے۔ یہاں دو گھنٹے رکنا تھا۔ فرینکفرٹ پر افراتفری بہت تھی۔

امریکی ائیر پورٹ کے مقابلے میں یورپ کے ائیر پورٹ بہت قدیم لگتے ہیں۔ نیچی چھتیں اور بے انتہا مجمع۔ لوگ زمین پر پڑے سو رہے ہوتے ہیں اور ہر چیز کی کمی محسوس ہوتی ہے۔غرض سوار ہوئے اور اس طرح ۱۸/ اکتوبر کو پرواز جدّہ کے لئے روانہ ہوئی۔رات کے ۱۰/ بجے کے لگ بھگ یہاں پہنچتے۔ یہ جہاز جدّہ کے پرانے ائیر پورٹ پر اترا تھا اور ہر کام میں سست روی تھی۔ ۱۱/ بجے تک ہم لوگ باہر نکل سکے۔ باہر بہت گرمی تھی اور ہم لوگ گرم کپڑے پہن کر سان فرانسسکو سے نکلے تھے۔

ایک ٹیکسی کی تو ڈرائیور بنگالی نکلا۔ طے یہی ہوا کہ رات یہیں جدّہ میں گزاری جائے کہ دیر بہت ہو چکی تھی۔ ۲۰/ میل کے فاصلے پر جدّہ میں انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل جانے کا ارادہ کیا۔ وہاں پہنچے۔ جدّہ اتنے سالوں میں اس قدر بدل گیا تھا۔ ہر طرف ۲۰/ اور ۳۰/ منزلہ عمارتیں تھی اور اتنی رات کو بھی چکا چوند کر رہی تھیں۔ ائیر پورٹ سے آتے ہوئے پرانا قبرستان جنّتِ معلّیٰ پڑتا ہے جس کا اب تھوڑا سا حصّہ ایک اونچائی پر باقی ہے کچھ عرصہ پہلے یہاں کچھ قبروں کے اوپر روضہ نما سفید گنبد تھے جو سعودی حکومت نے ڈھا دیئے اور اس میں یہ خیال نہیں رکھا کہ یہ ایک تاریخی عمارت ہے یا یہ کہ ہوسکتا ہے کہ دوسرے مسلمان ان حرکات سے متاثر ہوں۔اس کے ساتھ ہی ایک گھڑا ہے نیچے کی طرف، اور پھر پرانی آبادی کے مکان، اونچے نیچے، پھر اسی طرح کی سڑکیں، اور امریکی طرز کی فری وے تعمیر ہو چکی تھیں۔

ہم لوگ انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں داخل ہوئے اور کمرے منتخب کئے۔اب لفٹ میں قدم رکھا تو بے ساختہ سب کے منہ سے ''واؤ'' (wow) نکل گیا۔لفٹ ایسی سجی بنی تھی گویا دلہن کی پالکی سجی ہو۔نہایت عالیشان ہوٹل اور اسی کی مطابقت سے کمرے اور اس کے بستر تھے۔آرام کی ہر چیز مہیّا تھی۔ایک رات اس ہوٹل میں گزاری۔ دوسری صبح ہم نے ۶۰۰/ ریال ایک رات کے لئے ہوٹل کا کرایہ ادا کیا۔ہم نے رات کو ہی اس بنگالی ٹیکسی ڈرائیور سے طے کرلیا تھا کہ یہ ہمیں صبح لینے آجائے گا، سو وہ صبح کو موجود تھا۔اس طرح ہم ۱۹/ نومبر صبح ۷/ بجے مکّہ کے لئے روانہ ہوئے۔راستہ میں ڈرائیور سے اس کا نام پوچھا تو کہنے لگا، ''آج کل تو محمّد نام چل رہا ہے''۔ہم نے مطلب پوچھا تو کہنے لگا، ''میں دس سال کی عمر میں یہاں آیا تھا اور بڑے ہو کر کچھ دوسرے نوجوان لڑکوں سے مل کر ٹیکسی چلانے لگا۔ جب حکومت کی سختی ہوئی تو ہم سب کو واپس بنگلہ دیش جانا پڑا اور پھر ہم نام بدل کر واپس آ گئے۔اب یہی ہوتا ہے۔ یہ لوگ واپس بھیجتے ہیں اور ہم نام بدل کر پھر یہیں آجاتے

ہیں''۔اس نے بتایا کہ''اپنی کمپنی کو۱۰۰/ریال روز آنہ دینا ہوتے ہیں اور حج کے دنوں میں۴۰۰/ریال روز۔ اس پر بھی اتنا بچ جاتا ہے کہ بنگلہ دیش میں گھر بنوالیا ہے اور بھائیوں کو تعلیم بھی دلوا رہا ہوں''۔ہم نے اس سے پوچھا کہ''یہاں دیکھنے کے دوسرے کون سے مقامات ہیں؟''۔اس نے طائف کا خاص طور سے ذِکر کیا۔ہم نے اسی سے طے کرلیا کہ وہ اگلے دن ہمیں طائف لے کر جائے۔وہ بھی خوش ہوا کہ یہ پکّی سواری مل گئی تھی۔

راستے میں ایک مسجد ملی جس کے ساتھ کچھ دُکانیں بھی تھیں۔یہاں ہم نے چپل اور دوسری استعمال کی چیزیں خریدیں۔مسجد میں دو رکعت نمازِ میقات پڑھی اور احرام کی نیت کی۔لباس تو پہلے ہی پہنے ہوئے تھے۔اس طرح ایک بجے دوپہر کو مکّہ میں فندق ابراج مکّہ یا مکّہ ٹاورز ہوٹل پہنچے۔سخت دھوپ تھی لیکن اندر ائیر کنڈیشنگ میں گرم کپڑوں کی ضرورت محسوس ہورہی تھی۔ہوٹل کے استقبالیہ پر کاغذی کاروائی پوری کی۔ ہمارے بیٹے شمس نے پوتی علینہ کے ہوم ورک کے کاغذات فیکس کر دیئے تھے وہ بھی مل گئے۔علینہ نے یہ کاغذات لیئے اور سنبھال کے اپنی امّی کے پاس اس طرح رکھوائے کہ پھر انہیں واپس سان فرانسسکو میں ہی آکر دیکھا۔یہ ہوٹل ۱۹/منزلہ تھا اور ہمیں''حرم ویو'' (Haram view) کے خاص کمرے ملے تھے۔ سامنے ہی شاہ عبدالعزیز کا دروازہ تھا جس سے حرم میں داخل ہوتے تھے۔اطراف میں ہم نے پہلے جو چھوٹی دُکانیں اور عمارات دیکھی تھیں وہ احرام کی توسیع میں آگئی تھیں اور تمام اطراف میں اونچی اونچی عمارات اور ہوٹل بن چکے تھے۔ہوٹل کی لابی میں ضعیفوں کے لئے وہیل چیئر موجود ہوتی تھیں،سوہمیں آسانی ہوئی۔ویسے دعا تو یہی تھی کہ مالک نے بلایا ہے تو اپنے قدموں پر چل کر ہی حاضری دوں۔جماعت میں شریک ہوکر نمازِ ظہر ادا کی اور ساتھ ہی نمازِ شکرانہ بھی ادا کی۔بعدازاں اعجاز اور بہوفرحانہ نے عمرہ ادا کیا اور ہم بچوں کو سنبھالے ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے رہے۔یہاں ہم نے نماز پڑھنا شروع کی تو محسن نے اپنے ڈاگی کو بھی ہمارے ساتھ جائے نماز پر رکھ کے صف میں لگا دیا اور اس سے کہنے لگے،''ڈاگی نماز کرو''۔انہیں اردو زبان بالکل نہیں آتی ہے اور ہمارے لئے تکلفاً اردو بولتے ہیں۔ہم نے انہیں ہٹایا تو یہ ڈاگی کو کھڑکی کی طرف لے گئے اور اس کا منہ کھڑکی کے شیشہ سے لگا کر کہنے لگے،''ڈاگی لُک،کعبہ،کعبہ۔گوڈز ہاؤس ('God's house')''۔ ہمیں بہت بُرا لگا،اس میں کعبہ کی بے حُرمتی محسوس ہوئی۔ہم نے ان سے زبردستی یہ کپڑے کا کُتا لینے کی کوشش کی تو غصّہ میں کہنے لگے،''ڈیڈی امّی،تم نماز کرو''۔بجائے دادی امّی کے، یہ ہمیں ڈیڈی امّی کہتے ہیں۔انہی باتوں میں فرحانہ اور اعجاز واپس آگئے اور ہم عمرہ کے لئے چلے۔بہوفرحانہ اپنے بچوں کے پاس ٹھہریں اور ہم

نے اعجاز کے ساتھ طواف اور سعی کی۔ سعی کے لئے ہم نے وہیل چیئر استعمال کی۔ اس وقت ہمیں خیال آیا کہ ۱۹۸۹ء میں ہمیں وہیل چیئر کی ضرورت نہیں تھی۔ وقت کے ساتھ زمانہ کیسے رنگ بدلتا ہے۔ اب سعی کے دوران بھی یہی سوچا کئے کہ کتنی تکلیف بی بی حاجرہؑ کو ہوئی ہوگی جب معصوم حضرت اِسماعیلؑ پیاسے ہوں گے اور یہی سوچ کر چشم باراں ہوگئی اور ہم نے ہچکیوں کے ساتھ منہ پر چادر ڈھکے ہوئے، اپنے سات چکّر پورے کئے۔ حرمِ کعبہ کی طرف آنے لگے تو نقشہ ہی بدلا ہوا پایا۔ ہم نے دعا کی کہ مولا، سنگِ اسود کو بوسہ دینے میں آسانی عطا فرمائیں۔ طواف، نماز اور زیارتِ مقامِ ابراہیمؑ سے فارغ ہوکر ہم نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو دیکھا کہ مرد حضرات ایک لمبی قطار بنا کر کھڑے ہوئے ہیں۔ باری باری ایک ایک کر کے مرد حضرات آتے اور سنگِ اسود کو بوسہ دے کر ہٹ جاتے۔ دو شُرطے تعینات تھے اور ان میں سے ایک خانہ کعبہ کے غلاف کی ڈوری پکڑے ہوئے سنگِ اسود کی طرف والے کونے پر کھڑا ہوا تھا۔

خواتین کے حصّے میں صرف ایک جھمگٹا تھا۔ یہاں قطار بندی کا قانون نظر نہیں آرہا تھا۔ ہم دعا کرتے ہوئے اسی جھمگٹے میں شامل ہوگئے اور پیچھے سے ہجوم کا دباؤ بڑھتا رہا۔ ہمیں اپنی جگہ پر کھڑے رہنا بہت دشوار لگ رہا تھا۔ ہم نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پیچھے ایک ۲۰۔۲۵ رسالہ لڑکی کھڑی تھی۔ ہم نے ان سے کہا، ''بیٹی آپ جوان جہان ہیں، ہم ہیں بوڑھے۔ آپ تو ایسا نہیں کریں''۔ انہوں نے ہمیں تسلّی دی اور ہمیں سہارا دینے کا وعدہ کیا۔ یہ کہنے کے بعد اُس نے ہمارا خاص خیال رکھا اور سنگِ اسود تک ہمیں پیچھے کے ہجوم کے دباؤ سے بچائے رکھا۔ ہم نے سنگِ اسود کو جھک کر بوسہ دیا تو اس دوران بھی اس لڑکی نے ہمارے پیچھے کھڑے رہ کر ہمیں سہارا دیئے رکھا۔ ہم نے خدا کا شکر ادا کیا اور اُن صاحبزادی کو دل سے دعائیں دیں۔ بوسہ دے کر پلٹے تو دیکھا کہ وہ صاحبزادی اب موجود نہیں تھیں۔ اُن کی شکل ہمیں اب تک یاد ہے۔ ہم اعجاز کی طرف آگئے جو الگ کھڑے رہے تھے۔ ایک چیز جو ہمیں ستا رہی تھی وہ یہ کہ اسی عالیشان حرم میں صحنِ کعبہ سے لگی ہوئی جالی کے آس پاس کچھ خواتین سیاہ برقعوں میں سامان فروخت کرتی ہوئی نظر آئیں۔ یہ کون ہیں، اور ان کے ساتھ کے مرد حضرات کہاں کے ہیں اور اس طرح تنگ حالی میں کیوں رہتے ہیں؟ یہ سب رات کو وہیں سوتے تھے، اور غالباً بازار سے کھانا کھاتے ہوں گے۔ اس خوش حالی کے بیچ میں ان کی حالت ایسی کیوں تھی، یا حکومت انہیں کوئی امدادی سہولیات کیوں نہیں دیتی؟ ان باتوں کا کوئی جواب نظر نہیں آتا تھا۔

۱۹۷۹ء میں یہاں معذور، ضعیف اور بیمار افراد کے لئے کھٹولے ہوتے تھے۔ اب ۲۰؍سال بعد ان کھٹولوں کی جگہ وہیل چیئر تھیں۔ ہم نے وہیل چیئر نہیں لی تھی، لیکن کسی اور کی وہیل چیئر ہمارے پیر کی انگلیوں کو کچلتی ہوئی ضرور نکلی جس سے ہماری چیخ نکل گئی۔ دو انگلیاں سوجھ گئیں اور یہ انگلیاں آج تک اکثر و بیشتر سوجھی رہتی ہیں۔ ہمیں سفر تو جاری رکھنا تھا، بس ایک دو بینڈ ایڈ لگائیں، اور اللہ کا نام لے کر چلتے رہے۔ ہمارے بیٹے اعجاز کو ایک اور عمرہ کی خواہش ہوئی۔ اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے ہمیں پھر مکّہ چھوڑ کر جدّہ جانا پڑا۔ اس کے لئے ایک ٹیکسی کی۔ میقات کی مسجد سے دوبارہ نیّتِ احرام کر کے پھر عمرہ کرنے واپس آئے۔ اس آنے جانے میں کوئی ڈیڑھ گھنٹہ لگا۔ عشاء کی نماز شروع ہو چکی تھی اور نماز کی صفیں کھڑی تھیں۔ ہم نے بھی نماز پڑھی، اب سعی کے سات پھیرے، صفا و مروہ کے درمیان ہم نے وہیل چیئر ہی پر کئے۔ اس کے لئے ہمیں ۴۹؍ریال دینے پڑے۔ یہاں امریکی قیمتوں کے مقابلے میں بھی بہت مہنگائی تھی۔ مکّہ ٹاور ہوٹل کہ جس میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے، وہ بھی بہت مہنگا تھا۔ یہاں ہم نے صرف ایک چائے اور کچھ سکٹ منگا کر کھائے تھے تو وہ بھی ۵۹؍ ریال کے پڑے۔ لیکن اب مکّہ کے حرم کے چاروں طرف کھانے کے لئے بہت آسائشیں ہو گئی تھیں اور برگر، چیز برگر، اور کوک وغیرہ بھی مل جاتے تھے۔ یہیں ایک ریستوراں میں بیٹھ کر ہم نے کھانا کھایا۔ بالکل یہی لگا کہ امریکہ میں کسی ریستوراں میں بیٹھے ہوں۔ اب وہ عربی مزہ ہی نہیں تھا، کہ خانہ کعبہ اور ڈزنی لینڈ جانے میں کچھ تو فرق ہونا چاہئیے۔ یہاں سے کھانا کھا کر ہم پان کی دُکان کی تلاش میں نکلے۔ ہمارے پوتے محسن نے ہمارے پان اور چھالیہ کا سارا سامان ہوٹل کی بالکونی سے باہر پھینک دیا تھا۔ پان کے کھونے کا افسوس تو تھا ہی، لیکن پھر یہ بھی تھا کہ نہ جانے کس پر گرا ہوگا۔ کسی عربی پر گرا ہو تو یہ خیال تھا کہ ان کو اپنے سفید لباس کا بے انتہا خیال ہوتا ہے۔ یا عمرہ والوں کا احرام!! غرض یہ کہ پچھلی مرتبہ ہم جب یہاں آئے تھے تو ہندوستانیوں کی پان کی دُکانیں نظر آ جاتی تھیں، وہ اب نظر نہ آئیں۔ صرف امریکی طرز کی دُکانیں ہی نظر آتی تھیں۔ شکر تھا کہ ہمارے پاس تھوڑی بچی ہوئی سپاری اور تمباکو موجود تھی ورنہ کافی پریشانی ہوتی۔ کافی دیر بعد ہوٹل واپس آئے تو یہی لگا کہ کسی امریکی ہوٹل میں ہوں۔ البتہ ہمارے حرم ویو کے کمروں کی کھڑکیوں سے حرم شریف نظر آتا تھا۔

تیسرے دن ۲۰؍نومبر کو دن ہفتہ کا تھا۔ ہم نے ڈرائیور محمّد سے بات کی ہوئی تھی کہ وہ ہمیں مکّہ کے اطراف میں اور طائف لے جائے۔ اسے فون کیا کہ وہ صبح ۸؍ بجے آ جائے۔ عین ۸؍ بجے صبح ان صاحب نے ہوٹل کی لابی سے فون کیا۔ ہم نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور نیچے اُترے۔ باہر نکلے تو وہاں بنگالی ٹیکسی

ڈرائیور موجود تھے۔ان سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ان کا نام ابھی بھی محمّد تھا، بدلا نہیں تھا۔تسلّی ہوئی۔

راستے میں محمّد ہمیں بتاتے رہے کہ ہم کہاں کہاں سے گزرے۔ہم الطریق الداندی الاوّل کے نیچے کی سرنگ سے گزرتے ہوئے منیٰ کی طرف چلے تھے۔یہ سرنگ نئی ہے جو مکّہ شہر کے نیچے ہی نیچے سارا ٹریفک لے کر چلتی ہے۔اسی طرح کی سرنگ ہم نے بعد میں سیعیٹل (Seattle) شہر کے نیچے بھی دیکھی تھی اور سان فرانسسکو میں براڈوے سڑک پر بھی کچھ اسی طرح کی سرنگ ہے۔منیٰ ہمارے ہوٹل سے ۱۰ر کلومیٹر کے لگ بھگ ہے۔راستے میں ہم اپنی پوتی علینہ کو ہر جگہ کی اہمیت کے بارے میں بتاتے رہے۔ جبلِ نور اور اس میں واقع غارِ حرا پر رکے۔یہاں رسولؐ عبادت کے لئے آتے تھے۔یہاں پر اتنی خوبصورتی سے پتھر چُنے ہوئے تھے کہ جیسے کسی نے ہاتھ سے چُنے ہوں۔اوپر نہیں جا سکے کہ کئی گھنٹے تو اوپر آنے جانے میں لگتے ہیں۔اب منیٰ کی طرف آگے بڑھے۔حج کے دوران تین جمارات پر یہاں کنکریاں پھینک کر شیطان کو مارنا ہوتا ہے۔ان جمارات کو جمارات الاولیٰ، وسطیٰ، اور عقبیٰ کہتے ہیں۔اب عمرہ کے درمیان کنکریاں تو نہیں مارتے، سو ہم نے بھی نہیں ماریں۔نئی چیز یہ تھی کہ اب یہاں پانی کے تالاب بن گئے تھے جہاں شیطان کو ماری جانے والی کنکریاں جمع ہو جاتی تھیں۔یہ ہم نے ۱۹۸۹ء میں نہیں دیکھا تھا۔نیچے ایک ٹرمینل سا بنا ہے جو بل کھاتا ہوا چلتا ہے اور اس میں سے ٹریفک رواں دواں تھا۔۱۹۸۹ء میں جو درخت تین فٹ کے دیکھے تھے، وہ اب بڑے ہو چکے تھے۔سنّتِ ابراہیمی کا اچھا انتظام تھا۔قربانی کے جانوروں کے ذبیحہ کے بعد اُن کو سرد خانے میں ڈال دیتے تھے تاکہ انہیں غرباء میں تقسیم کے لئے دوسرے ممالک بھیجا جا سکے۔ہم نے مسجدِ خیف بھی دیکھی جو کسی کام کی وجہ سے بند تھی۔

یہاں سے ہم مزدلفہ کی طرف چلے۔مزدلفہ یا مشعرالحرام، مقامِ حرم سے تقریباً ۱۹ر کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔حاجی حضرات حج کے دنوں میں عرفات سے قبلِ مغرب نکلتے ہیں تاکہ نمازِ مغرب مشعرالحرام میں ادا کریں۔اگر عرفات میں نماز کا وقت ہو بھی جائے تو قضا کر دیتے ہیں اور یہاں آ کر مغرب اور عشاء کی نماز ساتھ پڑھتے ہیں اور پھر شیطان کو مارنے کے لئے کنکریاں چنتے ہیں۔اس کے بعد رات کو آرام کرنے کے بعد صبح کو نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد منیٰ روانہ ہو جاتے ہیں۔یہاں سے ہم وادیٔ محشر کی طرف چلے جہاں اصحابِ فیل کا واقعہ ہوا تھا۔ہم نے اپنی پوتی علینہ کو صورۃ فیل کے بارے میں بتایا کہ جب حبشہ کے بادشاہ نے مکّہ پر حملہ کیا تھا تو اس میدان میں اس پر ابابیلوں نے کنکریاں گرا کر اسے اور اس کی پوری فوج کو مار دیا تھا۔علینہ کو

پتہ نہیں تھا کہ حبشہ کہاں ہے، تو انہیں بتایا کہ اسے آج کل ایتھیو پیا کہتے ہیں۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ اسے نقشہ میں دیکھیں گی۔ ابھی یہ صرف ۷/سال کی تھیں۔

۲۵/کلومیٹر چل کر عرفات بھی دیکھا۔ وسیع و ہموار میدان جہاں گرمیوں میں حشر کا سماں ہوتا ہے لیکن نومبر میں عام سی گرمی تھی۔ ائیر کنڈیشنڈ ٹیکسی میں وہ بھی پتہ نہ چلی۔ اس سے پہلے حج پر ہم بس میں آئے تھے اور وہ بھی جولائی میں۔ زمین آسمان کا فرق لگا۔ عرفات میں مسجد نمیرہ دیکھی جہاں حج کے زمانے میں خطبہ ہوتا ہے۔ یہ بھی مقفل تھی۔ قریب ہی جبلِ رحمت ہے، سوادھر گئے۔ یہاں حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ پہلی بار ملے تھے۔ یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ اوپر چلنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہیں جو اوپر ایک چبوترہ پر ختم ہوتی ہیں۔

مکّہ معظّمہ: جبلِ رحمت پر ہم اور ہماری بہو، ہماری پوتی علینہ اور پوتے محسن (سفید کرتا پاجامہ)

جبلِ رحمت کے اس چبوترے پر حج اور عمرہ کے لئے آنے والے حضرات نوافل ادا کرتے ہیں۔ حج کے دنوں میں تو یہاں آنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے، لہٰذا ۱۹۸۹ء میں ہم یہاں نہیں آئے تھے۔ اب اس مرتبہ ہم جبلِ رحمت پر اوپر جا کے دیکھا اور یہ دعا کی کہ ہم آسانی سے اوپر چڑھ سکیں۔ ڈرائیور محمّد بھی ٹیکسی بند کر کے اوپر آیا اور ہمارا ہاتھ سنبھال کر اوپر لے جانے لگا۔ ہم نے اسے منع کیا اور اللہ کا نام لے کر بغیر دم لئے اور بغیر رُکے ہوئے تمام سیڑھیاں طے کر کے اوپر پہنچ گئے۔ اوپر ایک ستون ہے جس سے لگ کر ہم نے سانس درست کی۔ دو حضرات یہاں تسبیحیں فروخت کر رہے تھے۔ ہم نے بھی ایک تسبیح نشانی اور یادگار کے طور پر خریدی۔ ہم نے یہاں دعا مانگی، جبلِ رحمت کے ساتھ ایک تصویر کھینچی اور نیچے اترے۔ یہ سب جگہیں حج میں بھی دیکھی تھیں، لیکن

اب زیادہ غور سے دیکھنے کا وقت مل رہا تھا۔ پھر کافی ترقیاں ہوگئی تھیں اور کافی قدیم عمارات اور تاریخی نشانات غائب ہو چکے تھے جس کا ہمیں بہت افسوس ہوا تھا۔ گھڑی دیکھی تو اس وقت دن کے گیارہ بج رہے تھے اور گرمی میں حدّت شروع ہو چکی تھی۔ ہم طائف کی طرف روانہ ہوئے جو کہ ایک پہاڑی علاقہ ہے اور یہاں کا راستہ کافی پیچیدہ سا ہے۔ محمّد ٹیکسی ڈرائیور نے بتایا کہ طائف میں گرمی نہیں ہوگی۔

حضوؐر کی دعا تھی طائف والوں کے لئے، کہ حالانکہ طائف میں آپؐ پر سب سے زیادہ مظالم ہوئے، مگر وہی کہ اپنی اسی رحم دلی اور حُسنِ اخلاق کی بدولت آپؐ نے سب کو مسلمان کیا اور رحمت العالمین کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ ٹیکسی بھی چلتی رہی اور ہماری پوتی ہم سے اِسی طرح اسلام کی تاریخ سے روشناس ہوتی رہیں۔ منیٰ کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اب کافی بڑے پہاڑوں میں تبدیل ہوگئیں۔ ایک چھوٹی سی بستی کے پاس محمّد ٹیکسی ڈرائیور نے ٹیکسی روکی اور اترے۔ چند منٹ گزرنے کے بعد یہ صاحب کچھ پھل وغیرہ لے کر نمودار ہوئے۔ پھل اندر رکھتے ہوئے بولے، ''اب بلاؤں کا علاقہ شروع ہونے والا ہے، پھل انہی کے لئے ہیں''۔ ہماری خوش فہمی فوراً پریشانی میں تبدیل ہوگئی۔ پوچھا، ''یہ بلائیں کیسی ہیں جو پھل لیں گی جب تم جیسا شکار موجود ہے''۔ کہنے لگے، ''ہماری زبان میں تو انہیں بلا ہی کہتے ہیں، اب آپ خود ہی دیکھ لیں گی''۔ آگے چلے، وسیع پہاڑیوں کی جگہ کشادہ کھلی جگہ شروع ہوگئی، اور اچانک دیکھتے ہی دیکھتے بندروں کا ایک جمِ غفیر ٹیکسی کی ونڈ اسکرین پر آ براجمان ہوا۔ ہر ناپ اور ہر عمر کے بندروں کا یہ ایک گروہ تھا۔ پوری وادی میں کہیں بھی کوئی چوپایا نظر نہیں آیا تھا، سوائے حرم کے پاس ابابیلوں کے، اور یا پھر اس ایک بلّی کہ جو کعبہ میں سب حاجیوں کے ساتھ طواف پر طواف کرتی رہتی تھی، کہ نو سو چوہے کھا کر آئی ہوں گی اور اب پشیمانی میں گناہ معاف کرانا ہوں گے۔

طائف: کار کی کھڑکی پر بندر

محمّد ٹیکسی کا شیشہ تھوڑا سا نیچا کر کے کیلے اور روٹیاں ان بندروں کی نظر کرتے رہے۔ ساتھ کہتے جا رہے تھے، ''ہم انہی کو بلا کہتے ہیں۔ اِدھر سے گزرتے ہوئے اِن اُستادوں کے لئے کھانا ضرور لاتا ہوں''۔ ہماری پوتی اور پوتے خوب گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ ہم نے علینہ اور محسن کو

جگایا تو وہ اِتنے ڈھیر سارے بندروں کو دیکھ کر شور کرنے لگے،''ڈیڈی، وئیر ڈِڈ دیز منکیز کم فرام؟'' ("Daddy, where did these monkeys come from?")۔سوہم نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ''بیٹا،اس قوم پر عذابِ الٰہی نازل ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم کے افراد کو بندر کی شکل کا کر دیا تھا''۔اب یہ بندر وہی بندر ہوں یا نہ ہوں، بچوں کے لئے یہ کہانی دلچسپ تھی،اورانہوں نے اسی ناطے اس تاریخی واقعہ کو یاد رکھا۔

طائف: بندروں کی ٹولیاں۔ہم نے بندروں کی تصویریں ٹیکسی کے اندر ہی سے لیں۔

طائف:ہم،فرحانہ اور بچے

آگے چلے تو ایک مسجد ملی جس کے بارے میں روایت ہے کہ یہ مسجد حضورؐ نے اپنے ہاتھوں سے خود بنائی تھی۔اب یہ جلی ہوئی ملی تھی۔اس کی کچھ نشانیاں باقی رہ گئی تھیں اس پہاڑی پر۔اندر گئے مسجد میں، نمازِ ظہر اور دو نفل سب نے پڑھی۔ علینہ نے بھی نماز ادا کی۔ہم انہیں یہاں کی روایات اور ضروریات سمجھاتے رہے۔

یہاں سے چلے تو تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر وہ ٹیلا نما گھر نظر آنے لگا جو روایت کے مطابق اس عورت کا گھر تھا جو رسولؐ کے اوپر کوڑا پھینکتی تھی۔ایک دن یہ بیمار ہوئی تو رسولِ کریمؐ کے اوپر کوڑا نہ پھینک سکی۔رسولؐ نے اُس سے اُس کی خیریت پوچھی۔ آپؐ کو اس لئے تشویش تھی کہ اس دن اس عورت نے کوڑا نہیں پھینکا۔اس پر یہ عورت ایمان لے آئی۔ یہ جگہ اب صرف ایک ٹیلا سا تھا اور کچھ ایسے نشانات تھے جو گئے زمانے

کی عمارت کو ظاہر کرتے تھے کہ یہاں ایک دروازہ ہوتا رہا ہوگا۔ یہ لبِ سڑک واقع ہے۔ اس ٹیلے کو کسی عمارت کے رُوپ میں دیکھنے کے لئے ہمیں اپنی روحانی قوت کا استعمال کرنا پڑا، کیونکہ آثار تو کچھ بھی واضح نہیں تھے۔

طائف، سعودی عرب: اس عورت کا گھر جو رسولِ کریمؐ کے اوپر کوڑا پھینکتی تھی اور بعد میں ایمان لے آئی تھی

یہاں آتے ہی درجۂ حرارت کم ہو گیا تھا، ڈرائیور کی پیشگوئی صحیح تھی۔ آگے چلے تو اوپر ایک اور مسجد چڑھائی پر تھی۔ اوپر گئے، اندر ایک چھوٹا سا حوض تھا جس میں پانی تھا صاف ستھرا، اِسی کے پاس ایک پیالا پڑا ہوا تھا۔ اسے دھویا، پانی لے کر وضو کیا۔ ایک جگہ جھاڑو دی، اور نماز شروع کی ہی تھی کہ دو تین مرد عرب لباس میں اوپر آئے اور اِدھر اُدھر کی تصویریں اُتارنے لگے۔ ہم نے نماز ختم کی ہی تھی کہ محمّد اوپر آئے اور کہنے لگے کہ ''آپ لوگ نیچے چلیں، یہ لوگ ٹھیک نہیں ہیں''۔ اس کے کہنے سے ہم لوگ جلدی نیچے اتر آئے اور گاڑی میں بیٹھ کر چلے۔ ہمیں یہ پتہ نہیں چلا کہ وہ عرب حضرات ٹھیک کس لئے نہیں تھے، کیا وہ سعودی پولیس یا امیگریشن کے تھے کہ محمّد کو اپنا خطرہ ہوا، یا وہ چور ڈاکو تھے، کہ جن کا ہمیں سعودی عرب میں اتنا خدشہ نہیں تھا۔

۲۰ر یا ۲۵ر منٹ کے بعد ایک اور مقام پر ٹیکسی رکی اور محمد نے بتایا کہ یہاں جنابِ فاطمہؑ کا گھر ہوا کرتا تھا۔ اب یہ گر، گرا کر بالکل کھنڈر میں تبدیل ہو چکا تھا اور کہیں کہیں کمروں کے نشانات نظر آتے تھے۔ یہی لگتا تھا کہ یہاں کے حکّام کو اس مکان سے بالکل ہی دلچسپی نہ ہو۔ مذہب نہیں تو کم از کم تاریخ کو تو بچا کر رکھنے کی ذمّہ داری پوری کی جاتی۔ کھنڈر میں اندر دیکھا تو نہایت وسیع میدان ہے جہاں پانی کے برتن رکھنے کے لئے جگہ بنی ہوئی تھی۔ یہاں مٹّی کے ایسے صراحی نما برتن تھے جیسے کہ سندھ میں عام ملتے ہیں اور گھڑونچی کہلاتے ہیں۔ اِس مکان سے ذرا سے فاصلے پر ایک کچا سا مکان بنا ہوا تھا، اس کے گھر کے باہر پودینہ اُگا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ دفتر بنا ہے، اوقاف کا۔ مکان بالکل کھنڈر تھا، لیکن اب بھی کمروں کے نشانات باقی

ہیں ۔ بہت سی جگہیں لوگوں کو معلوم بھی نہیں ، جو تھیں وہ تفرقہ میں مٹا یا جلا دی گئیں ۔

طائف سے واپسی پر دل بہت ملول تھا۔ واپسی میں راستے میں دیکھا کہ ایک مسجد چھوٹی سی بنی ہے ''مسجدِ فاطمہ'' کے نام سے، مسجد پر نام بھی یہی لکھا تھا۔ معلوم ہوا کہ کسی سعودی لڑکی نے ، جس کا نام بھی فاطمہ تھا، بنوائی ہے یہ مسجد۔ اُترے، اندر گئے، صحن میں وضو کی جگہ، اندر کی طرف اوپر جا کے نماز کی جگہ، اور قرآن مجید رکھے ہوئے تھے۔ ہم لوگوں نے زنانے حصے میں اور مردوں نے نیچے جا کر مردانے حصے میں نماز وسنّت نفل پڑھے۔ فرحانہ نے یہاں بھی مسجد کے سامنے تصویر اُتاری۔ سارے راستے یہی ہو رہا تھا کہ ہم میں سے کوئی ایک شخص تصویر کھینچتا تو دوسرے سارے کھڑے ہو کر تصویر کے لئے مسکراتے رہتے۔ پورا گروپ کسی تصویر میں نہیں آیا تھا۔ جبلِ نور کے پاس ایک شخص تصویروں کے کارڈ فروخت کر رہا تھا، وہی ساری تصویریں جنہیں اس سے پہلے کے عمرہ اور حج کے سفر میں شرطے اور شرطیاں ہمیں کیمرے سے لینے کو منع کرتے تھے۔ ہم نے اِسی شخص کو اپنا کیمرہ دیا اور بتایا کہ کیسے چلانا ہے۔ اس طرح اس نے تصویر کھینچی۔ ہم نے دو سیٹ کارڈز کے دس، دس ریال میں خریدے۔ مزید آگے چلے تو بی بی فاطمہ زہرہؓ کے گھر کی طرف جاتے جاتے نجانے کیسے کیمرہ خراب ہو چکا تھا، اور ہم لوگ یہ سمجھتے رہے کہ فلم ختم ہوگئی ہے۔ بعد میں اندازہ ہوا کہ کیمرے کے لینز کے کَور کا اسپرنگ پھنس گیا تھا۔ اب بالوں کی ایک پِن سے لینز کَور کھول کھول کر تصویریں اتارتے رہے۔

راستے میں ہمیں غارِ ثور، یا غارِ ثور بھی دیکھنے کا موقعہ ملا۔ یہاں مکّہ سے مدینہ ہجرت کے دوران رسولؐ اور حضرت ابوبکرؓ پناہ لینے کے لئے ٹھہرے تھے اور اس غار کے منہ پر مکڑی نے جالا بُن دیا تھا جس کی وجہ سے مکّہ والے دشمنانِ نبیؐ شبہ بھی نہ کر سکے کہ آپؐ اندر ہو سکتے تھے۔ مکّہ پہنچتے پہنچتے محمّد ڈرائیور نے ہمیں وہ گھر دکھایا جہاں پیدائشِ رسولؐ ہوئی تھی۔ اسی طرح حضرت ابو طالبؑ کا مکان بھی دیکھا جہاں اب ایک لائبریری تھی اور وہ بھی توڑی جا رہی تھی کہ اب وہاں کچھ نئی چیز بن رہی تھی۔ ملبہ کے ڈھیر پر چلتے ہوئے اندر گئے تو وہاں دو مرد بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اشارے سے کہا کہ ہم خواتین اندر نہیں جا سکتے۔ اندازہ ہوا کہ یہ سعودی ابھی بھی دنیا سے کئی صدیوں پیچھے ہیں۔ ہماری بہو تو دروازہ کے پاس رُک گئیں لیکن ہم نے ان کی بات نہ مانی اور یہ کہتے ہوئے اندر آ گئے، کہ ''اب اس عمر میں ہمیں کون روک سکے گا جو تم ہمیں روکتے ہو''۔ اندر کتابوں کی ایک الماری میں چند ایک کتابوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہم ان لوگوں کی عقلوں پر ماتم کرتے ہوئے باہر آ گئے۔ ہر

چھوٹی بڑی تاریخی عمارت اس توسیع کی زد میں آ کر غائب ہو رہی تھی۔ ہمیں یہی خیال ستا رہا تھا کہ مستقبل میں جو لوگ یہاں آئیں گے انہیں کیسے معلوم ہو گا کہ کون سی جگہ کہاں تھی۔ پورا حرم شریف امریکی سُپر مال لگنے لگا تھا۔ بس اب یہی تھا کہ گائیڈ جو بتا دے، اسی پر یقین کر کے آگے بڑھ جائیں۔

مدینہ کے لئے ہوائی جہاز کے ٹکٹ ہم نے سان فرانسسکو میں خرید لئے تھے۔ اب یہاں اندازہ ہوا کہ ٹیکسی میں یہ سفر زیادہ مناسب ہو گا کیونکہ اِس طرح ہمیں کئی مقامات کی زیارت مل سکتی ہے جو ہوائی سفر میں ممکن نہیں۔ انہی باتوں کو سوچتے ہوئے ہم نے محمّد ڈرائیور کو فارغ کرنے سے پہلے اُن صاحب سے دوسرے دن ۲۱ رنومبر بروز اتوار مدینہ لے چلنے کا معاہدہ کر لیا۔ ہوٹل کے کمرے میں پہنچے، نہا دھو کر تازہ دم ہوئے اور حرم میں آ گئے۔ ایک طواف اور سعی کر کے باہر آئے اور کھانا کھایا۔ پھر کمرے میں آ کے خوب اچھی طرح سوئے کہ سارے دن کی تھکن جمع ہو گئی تھی۔

۲۱ رنومبر کی صبح ہوئی تو ناشتہ کے بعد علینہ اور محسن کو ساتھ لے کر طواف کرنے گئے۔ طواف کے دوران دیکھا کہ اس مرتبہ بھی وہی بلّی سب کے ساتھ طواف میں شامل نظر آئی۔ یہ باقاعدہ پورے چکر لگا رہی تھی۔ اب اس کا بھید تو اللہ ہی جانے۔ ہم طواف، نماز اور سعی سے فارغ ہوئے تو اپنے بیٹے کو طواف کے لئے بھیج کر علینہ اور محسن کو سنبھالنے کی ذمّہ داری لے کر خود وہیں بیٹھ گئے۔ ان دونوں کا دامن پکڑا، اور خود تسبیح پڑھنے لگے۔ محسن اپنی دو سال کی عمر میں بہت ہی چلنت پھرنت اور پھرتیلے لڑکے تھے۔ یہ اپنا دامن چھڑا کے اتنی تیزی سے طواف کرنے والوں کی طرف بھاگے کہ ہمارے لئے انہیں روکنا محال ہو گیا۔ ہمارے بیٹے نے جلدی جلدی نماز میں سلام پھیرا اور تیزی سے آگے بڑھ کر محسن کو گود میں لے کر آئے۔ ایک صاحبہ نے محسن کو ایک ٹافی پکڑا دی اور اب یہ بضد کہ اتارو تو میں خود ٹافی کا کاغذ کھولوں گا۔ انہیں بٹھا کر ہم پھر تسبیح میں مصروف ہوئے ہی تھے کہ یہ دوبارہ بھاگ کھڑے ہوئے اور اس دفعہ یہ حرم کی طرف کا رخ لئے دوڑ رہے تھے۔ ہم کیسے ان کے پیچھے بھاگتے۔ ایک لڑکی جو قریب ہی تھی، اس سے ہم نے کہا، ''اسے پکڑیں''۔ وہ کہنے لگیں، ''میرا نہیں ہے''۔ ہم نے کہا، ''یہ ہمارا بچّہ ہے، آپ بس ذرا اسے پکڑ کر دے دیں''۔ اس پر ان صاحبہ نے محسن کو پکڑ کر واپس ہماری گود میں دیا۔ محسن کو اتنا بڑا پکا دالان پہلے کبھی نظر میں نہیں آیا تھا اور وہ اس سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، لہذا کسی بھی طرح ہمارے پاس بیٹھنے کو تیار نہ ہوں۔ غرض ہم انہیں دبوچ کر اعجاز کے پاس گئے اور

انہیں بتاتے رہے کہ یہ کعبہ ہے، اور اللہ کا گھر ہے، اور وہ جواب میں سوال کرتے رہے، ''ہو اِز اللہ (Who is Allah?)''۔ ہم نے دل میں سوچا کہ اعجاز نے یہ بہت اچھا کیا کہ اِن بچوں کو اس سفر پر اتنی کم عمری میں ہی لے آئے۔ ہم نے ان کو لے کر طواف کیا اور سنگِ اسود کو بوسہ دلوایا اور ان کے چہرے کو غلافِ خانۂ کعبہ سے مَس کیا۔ پھر دیوارِ کعبہ، سنگِ اسود سے لے کر چہار جانب مَس کرتے ہوئے پیچھے ہٹے۔

دوپہر کا وقت تھا اس لئے اُس وقت مجمع کم تھا۔ واپس آتے ہوئے، گلیوں سے گزرتے ہوئے ہوٹل اور حرم کے درمیان ہم جب بھی گزرتے تو کبھی کوئی دُکاندار اور کبھی کوئی دوسرا شخص پیار سے محسن کے گال تھپتھپاتا تو یہ جواباً اپنے گال خوب زور سے صاف کرتے۔ اس دن بھی ایسا ہی ہوا اور کسی نے محسن کو پیار میں عربی زبان میں کچھ کہا تو انہوں نے ''شٹ اپ'' سے نوازا۔ ۲/سال کے تھے لہذا وہ دُکاندار یہ سن کر اور خوش ہوگیا، بقول غالبؔ۔

اُن کو آتا ہے پیار پر غصّہ
ہم کو غصّہ پر پیار آتا ہے

کمرے میں آکر اور سامان سمیٹا کہ آج اِس در سے روانگی تھی۔ دِل یہ چاہتا کہ حرم ہی میں بیٹھے خانہ ءِ کعبہ کو تکتے رہیں۔ خدا کی حمد وثناء وشکر ادا کرتے رہیں، اپنے اور بزرگوں کی مغفرت کے لئے دعا کرتے رہیں، اپنے آئندہ آنے والوں اور بچوں کے لئے دعا کریں کہ بارِ الٰہی، ہمارے سب بچوں کو سعادت سے بہرہ مند فرما۔ آمین۔ اب یہ مکّہ میں ہمارا آخری دن تھا اور جی چاہ رہا تھا کہ حرم جایا جائے۔ غرض ہم ہوٹل میں ٹھہرے اور بیٹا بہو گئے۔ واپسی پر ہم نے تسبیح اور جائے نماز اِن سے کہا کہ لیتے آئیں۔ یہ لوگ کافی دیر سے واپس آئے۔ ہم سارا سامان تو بند کر چکے تھے، اب نکلنے کے لئے لفٹ کی طرف چلے ہی تھے کہ ڈرائیور محمّد خود ہی اوپر آگئے اور ہمارا سامان نیچے لے گئے۔ اعجاز نے بتایا کہ انہیں باہر ایک دوسرا ٹیکسی ڈرائیور بھی ملا جو کہ مکّہ ہی کا تھا۔ محمّد کیونکہ ہمیں لینے کے لئے جدّہ سے آتے تھے، انہیں واپسی میں خالی جانے میں نقصان ہوتا ہوگا۔ لیکن محمّد نے اس دوسرے ڈرائیور سے بات کر کے ہمیں کہا کہ ''مجھے نقصان اتنا نہیں ہوتا اور ویسے بھی آپ جیسی خاندانی سواریاں مجھ کو پسند ہیں۔ کبھی کبھی تو ایسے ایسے لوگ ملتے ہیں کہ دل خراب رہتا ہے سارے راستے''۔ دل کو کافی خوشی ہوئی۔ سارے راستے مڑ مڑ کر حرم شریف کی طرف دیکھتے رہے، اور گاڑی چلی تو ان

راہوں کو دیکھتے رہے کہ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی چیز ہماری یہاں رہ گئی ہو۔

اب اتوار کی دوپہر ڈھل رہی تھی۔ ہم نے ایک چیز محسوس کی کہ محمّد گاڑی چلانے کے دوران کبھی کھاتے پیتے نہیں ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ حج کے زمانے میں یہ دو، دو دن نہیں سوتے کہ یہی دن تو ان کی آمدنی کے ہوتے ہیں۔ مدینہ کا راستہ مکّہ سے ۳۰۰ رمیل کے لگ بھگ ہے اور راستے میں ایک جگہ کسی حدود کا نشان آیا اور یہاں ہم سب کے پاسپورٹ کی جانچ پڑتال ہوئی۔ اس کے بعد ہم سارے راستے ڈرائیور سے باتیں کرتے رہے کہ اُسے نیند نہ آجائے۔ ہم رات کے ۱۰ر بجے تک مدینہ پہنچ گئے۔ ہم نے امریکہ ہی سے یہاں گرین پیلس ہوٹل میں کمرے مخصوص کروالئے تھے۔ اس ہوٹل کو تلاش کرنے میں کوئی پندرہ منٹ لگے اور پھر ہم نے سارا سامان اتروایا۔ ٹیکسی کے ۶۰۰ر ریال لگے تھے۔ یہ شخص ہمیں بہت پسند آیا تھا۔ ہم نے اس سے کہا کہ ہم جمعرات کو واپس جائیں گئے، اگر وہ آسکے تو آجائے۔ ویسے تو یہاں ٹیکسی کی بڑی پابندی تھی کہ یہاں سے مکّہ جانے کے لئے ہم صرف مدینہ کے میٹر والی ہی ٹیکسی لے سکتے تھے۔ پھر بھی محمّد نے کہا کہ وہ آجائیں گے، اور اس میں کچھ خدشہ تو ضرور ہے، لیکن وہ بھی ہم سب سے بہت خوش تھے۔ یہ شاید اپنے گھر والوں سے بہت عرصے سے بچھڑے ہوئے تھے، اور سارے راستے جہاں ٹیکسی رُکتی، یہ بچوں کے لئے اپنے خرچ سے پھل وغیرہ لے آتے۔ ہم نے بھی محمّد سے گھر والوں کی طرح کا برتاؤ رکھا تھا اور ڈرائیور نہیں سمجھا۔ اس طرح بات طے کر کے یہ صاحب رخصت ہوئے اور بہت خوش تھے۔

مدینۂ منوّرہ

گرین پیلس ہوٹل میں ہم نے ایک ۲ر کمروں کا اپارٹمنٹ لیا تھا جس میں ایک باورچی خانہ بھی تھا۔ اسی طرح کا ایک اپارٹمنٹ ہم نے اپنی بیٹی سیما کے لئے بھی رکھا تھا، کیونکہ یہاں ہماری بیٹی سیما بھی اپنے شوہر حسن اور تینوں بچوں کے ساتھ ریاض سے آرہی تھیں۔ ہم دونوں ہی کو قریب قریب کمرے مل گئے، نویں منزل پر۔ ہوٹل ویسے تو یہ فور اسٹار تھا، لیکن یہ تھا بہت جدید، اور اس میں تمام جدید آسائشیں فائیو اسٹار ہوٹل والی تھیں۔ ہر کمرے میں ۳ر بستر تھے، امریکی طرز کے۔ یہ انتظام حج کے زمانے کے لئے تھا کہ اس وقت لوگ جہاں مناسبت ہو، سونے کے لئے لیٹنے کی جگہ پا کر شکر ادا کرتے ہیں۔ ہمیں یہ چیز کام آگئی۔ ہر کمرے میں ایک ٹیلی وژن بھی تھا جس پر امریکی کارٹون، عربی زبان میں سارا دن چلتے تھے۔ ان کارٹونوں سے ہمارے پوتا

پوتی اور نواسہ نواسیاں سارا دن محو رہتے تھے۔ ایک قرآن مجید اور جائے نماز بھی ہر کمرے میں تھی اور ساتھ ہی دیوار پر تیر کے نشان سے قبلہ کی نشاندہی کی گئی تھی۔ اہم چیز ہم نے یہ دیکھی کہ ہر جگہ اب وہیل چیئر کے لئے مناسب تھی جو کہ صرف اور صرف امریکی نظام کے تحت تھا۔ یہ سہولت ہمارے بہت کام آئی اور ہم نے ان امریکیوں کا دل سے شکر ادا کیا جو اسلامی سوچ رکھتے ہیں۔

اب طے یہ پایا کہ رات کو آرام کیا جائے کیونکہ بیٹھے بیٹھے کمر اور پیر اکڑ سے گئے تھے۔ رات کا کھانا اسی ہوٹل سے آیا۔ ہم نے چائے منگوائی کہ کچھ تھکان دور ہو تو اسی دوران ہماری بیٹی سیما معہ شوہر اور تین بچوں کے ریاض سے یہاں پہنچ گئیں۔ سب بچّے ملے تو ان کی تو گویا عید ہوگئی۔ اب لاکھ کہیں کہ سو جاؤ، لیکن کون سنتا ہے۔ ان پانچ بچّوں نے اپنی ٹولی الگ بنالی اور ہم پانچ بڑوں نے الگ۔ جیسے تیسے کر کے کھانا کھایا اور پھر یہ بچّے سارے سیما کے اپارٹمنٹ میں جمع ہوگئے اور وہیں سوئے۔

دوسری صبح اٹھے، پیر کا دن تھا، ناشتہ نیچے ہوٹل کے ہی ریستوراں سے کمرے میں منگوا کر کھایا۔ پھر طے ہوا کہ حضورؐ کے روضہ پر حاضری دی جائے۔ بچّوں کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے اعجاز اور حسن ہو آئیں اور پھر ہم خواتین جائیں۔ ویسے بھی انہوں نے فجر کی نماز کے وقت اٹھ کر جانے کی تیاری کر لی تھی۔ یہ دونوں ۱۱/ بجے کے قریب آئے۔ لگتا تھا کہ پورا مدینہ ہی دیکھ آئے ہوں۔ ساتھ ہی دوپہر کے کھانے کا سامان بھی ساتھ لائے، معہ چائے کی تھرماس کے۔ حسن تو ریاض سے کئی دفعہ عمرہ اور مدینہ کی زیارت کے لئے آچکے تھے۔ اب یہ واپس آئے تو انہوں نے بتایا کہ خواتین کی زیارات کا وقت صبح ۷/ بجے سے لے کر ۱۱/ بجے تک تھا، اور ۱۱/ بجے کے بعد مرد حضرات کے لئے وقت مقرر تھا۔ لیجئے، ہم پھر بیٹھے رہ گئے اور یہ حضرات کھانا کھا کر پھر باہر نکل گئے۔ ہم نے اپنی بیٹی سیما اور بہو فرحانہ سے کہا کہ وہ ظہر اور عصر کی نماز پڑھ آئیں۔ یہی ہوا، وہ دونوں چلی گئیں اور ہم بچّوں کو سنبھالے رہے۔ اعجاز اور حسن تو مغرب کی نماز پڑھ کر کمرے میں آئے، کھانا کھایا، اور پھر واپس مسجد میں چلے گئے۔ غالباً باہر انہوں نے باہر کسی راہبر اور ٹیکسی ڈرائیور سے بات کر لی تھی کہ وہ ہمیں تمام زیارات کرا لائے۔ غرض ہمارا پورا دن ہوٹل کے اندر بچّوں کے ساتھ گزرا۔ ہمیں بھی کچھ آرام کی ضرورت تھی، اور بچّوں کے ساتھ لطف بھی آیا۔ پھر یہ کہ سیما اپنے ساتھ ریاض سے نکلنے والا اردو کا اخبار لائی تھیں، سو ہم اسے پڑھتے رہے۔ سوچتے رہے کہ اردو کے شائقین کہاں کہاں پہنچے ہوئے ہیں اور اپنا کام کر رہے ہیں۔

یہاں بھی مشاعرے، مذاکرے اور مسالمے، سب ہی ہوتے تھے، اور گھروں میں رہتے ہوئے خواتین یہ کام کر رہی تھیں۔ کچھ دوسرے کام بھی کر رہے تھے دوسرے لوگ۔ مثلاً اسی اخبار میں ایک خبر تھی جو اس طرح تھی:
''بروز اتوار جدّہ کے ایک رہائشی علاقے میں ایک گھر پر چھاپہ پڑا جہاں سے شراب برآمد ہوئی جو کہ اسی گھر میں کشید ہوتی تھی۔ یہ شراب، آبِ زمزم کے کنستروں میں فراہم کی جاتی تھی تاکہ شرطے شبہ نہ کریں۔ اس گھر سے ۲/مقامی اور ۳/مغربی ممالک کے افراد گرفتار ہوئے۔ اس نوعیت کا جدّہ میں یہ تیسرا واقعہ ہوا ہے''۔ اب سوچیں کہ شیطان کا مکر وفریب کہاں نہیں چلتا۔ ہماری یہی دعا ہے کہ خدا سب کو اس موذی لت سے بچائے۔ آمین۔

دوسرے دن ۲۳/نومبر تھی، بروزِ منگل۔ ہمارے راہبر ڈرائیور بمعہ اپنی وین کے صبح ہی صبح آموجود ہوئے، اور یوں ہم سب صبح ۱۰/بجے کے قریب چلے۔ ہم نے دیکھا کہ ۱۹۷۹ء اور ۱۹۸۹ء کے مقابلہ میں اس وقت یہاں بہت صفائی تھی اور اب مکّہ اور مدینہ، یہ دونوں شہر روشنیوں اور نقّاشی کے بہترین نمونے تھے۔ ہمارے ہوٹل کے سامنے ہی صرّافہ تھا۔ صرّافہ تو ہم نے مکّہ میں دیکھا تھا اور وہی رئیسانہ چمک دمک یہاں بھی تھی۔ فرق یہ تھا کہ مکّہ میں لوگوں کے چہروں پر سختی تھی اور یہاں مدینہ میں لوگ خلیق لگے اور ان کے چہروں پر اطمینان اور مسکراہٹ نمایاں تھی۔ ہندوستانی اور پاکستانی کھانوں کی دُکانیں یہاں بھی تھیں۔ دُکانوں کے باہر، چھتی برآمدوں میں سودے سُلف بیچنے والے، زمین پر کپڑا بچھائے اپنا سامان فروخت کر رہے تھے اور ان کی قیمتیں دُکان سے کم تھیں۔ ہم نے انہی میں سے ایک فرشی جواہرات فروش سے سچّے موتیوں کی دو عدد لڑیاں خریدیں۔ ہماری بہوفرحانہ نے اسی طرح کی لڑیاں ایک سُنار سے دُکان کے اندر سے لیں تو انہیں ۷۰/ریال کی ملیں، جب کہ ہمیں یہ ۵۵/ریال کی ملی تھیں۔ شک ہوا کہ شاید ہمارے موتی صحیح نہ ہوں۔ ہم اسے لے کر سُنار کی دُکان میں گئے تو اُس نے تصدیق کی کے موتی سچّے ہی تھے، اور یہ بھی بتایا کہ سعودی عرب میں بے ایمانی بہت کم ہی ہوتی ہے۔ انہی دُکانوں میں حیدرآباد، ہندوستان کے سُنار بھی تھے جو اپنے وزنی زیورات بیچ رہے تھے۔ اب ایسے زیور مسافر تو کیا ہی خریدتے ہوں گے، یقیناً یہیں کی خواتین ہی لیتی ہوں گی۔ ہم نے یہاں کی خواتین صرف ایسی ہی جگہ پر دیکھی تھیں، ورنہ کسی اور جگہ ہم نے سعودی عورتوں کو باہر نہیں دیکھا تھا۔ صرف جدّہ کے انٹرکانٹینٹل ہوٹل میں دیکھا تھا کہ ۲/عدد نوجوان سعودی لڑکیاں، زردوزی کا کامدار برقعہ پہنے آئیں، جھٹک پٹک کاؤنٹر پر آکر فون کیا، پیسے ادا کئے اور چلی گئیں۔ غالباً اتنی دولت کے

باوجود بھی یہاں کی خواتین ۱۹۹۹ء میں بھی ذاتی موبائیل فون نہیں رکھ سکتی تھیں۔غرض یہاں کی خواتین کی امیری اورغریبی ان کے برقعوں کے فرق سے عیاں ہوتی تھی۔امیرخواتین کے برقعے زردوزی کام کے ساتھ ہوتے تھے،اورغریب خواتین کے برقعے،سادہ اورعموماً سیاہ ہوتے تھے۔

اب ہم آپ کوان مقاماتِ مقدسہ کی طرف لئے چلتے ہیں جہاں ہرقدم بہت سنبھل کر رکھنا ہوتا ہے۔ ہمارے ذہن میں یہی تھا کہ یہ وہ گلیاں اورکوچے ہیں جہاں حضورؐتشریف لائے اور جہاں حسنؑ اورحسینؑ نے اپنا بچپن اور جوانی کے دن گزارے۔یہیں انہوں نے رسولؐ کی وفات کے بعدصعوبتیں سہیں اور ہردشوار موقع پرصبروشکر کے ساتھ اپنے دینی ودنیاوی کاموں کوانجام دیتے رہے۔انہی خیالات کے ساتھ ہم جب حرم میں داخل ہوئے تو منظرہی بدلا ہوا پایا۔جناب شرطے صاحب بابِ جبرائیل سے اندر جانے ہی نہ دیں۔معلوم ہوا کہ یہاں پہنچتے پہنچتے،خواتین کے لئے وقت ختم ہوگیا تھے۔بابِ جبرائیل سے نزدیک بابِ بقیع سے جانے کا اشارہ کیا۔ ہم اسی سے اندر داخل ہوئے۔ الٹے ہاتھ پر مقامِ وحی کی زیارت کی، اور پھر حجرۂ عائشہؓ، حجرۃ الرسولؐ،اورحجرہ فاطمہؑ کے ساتھ ساتھ ہوتے ہوئے مسجد کے صحن میں آئے۔اب اس وقت بغیروہیل چیئر ہمیں یہ راستہ لمبا لگا۔ یہاں سماں بدلا بدلا سا لگا۔ ہرچیز نئی اور چمکدار لگی۔ہمیں اس کے آگے جانے نہیں دیا گیا۔ ہم نے یہی دعا کرتے ہوئے نماز ادا کی کہ کسی طرح روضۂ مبارک کی رسائی ہو،لیکن اب یہ ناممکن تھا۔۱۹۸۹ء میں زنانہ حصہ میں لکڑی سے درمیانی دیوار کھڑی کردی گئی تھی۔اب ۱۹۹۹ء میں یہ جگہ بہت وسیع و عریض لگی۔صحنِ علیؑ میں ایک چبوترہ بنا کراسے عورتوں کے لئے نماز پڑھنے یا تھک کرآرام کرنے کے لئے جگہ بن گئی تھی۔

ہمارے ساتھ ہماری بیٹی سیما اور پوتی علینہ تھیں۔ہم تینوں نے یہاں صحنِ علیؑ میں نماز ادا کی۔ہم علینہ کو بتا رہے تھے کہ یہ سامنے حضرت فاطمہؑ کا گھر تھا اور یہیں حضرت امام حسنؑ وحسینؑ نے بچپن گزارا۔اور یہ کہ مسجد پہلے بہت چھوٹی تھی جو اب اتنی بڑی کردی گئی ہے کہ ہم جیسے بزرگوں کا یہاں چلنا دشوار ہوگیا تھا۔ ہماری یہ گفتگوسن کرقریب بیٹھی ہوئی ایک خاتون نے اردو میں پوچھا۔''کیا یہ صحنِ علیؑ ہے؟''۔ہم نے اثبات میں سرہلایا۔ پیچھے کچھ ایرانی عورتیں بھی بیٹھی تھیں اور وہ کچھ گریہ وزاری کررہی تھیں۔اب ہم رسولؐ کے روضہ کی زیارت نہیں کرسکے تو ہم نے اپنی بہوفرحانہ سے کہا کہ وہ ہم سب کی کچھ تصویریں ہی لے لیں۔انہوں نے

تصویریں لینا شروع کی ہی تھیں کہ ایک شرطی نہ معلوم کہاں سے چیل کی طرح آ جھپٹی، اور ''ممنوع، ممنوع، شِرک، شِرک'' کے نعرے مارتے ہوئے اس نے کیمرے کی ریل نکال کر پھینک دی۔ پھر کیمرہ ہمارے حوالے کر دیا۔ ہماری بہت سی قیمتی تصویریں ضائع ہوگئیں۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ حرم کے باہر یہی تصویریں ۲/ ریال کی مل جاتی ہیں تو یہاں خود کھینچنے میں کیا قباحت ہے۔

یہاں سے نکلے تو جنت البقیع کی طرف چلے۔ حرمِ مسجد کی توسیع کے بعد یہ قبرستان اب مسجد کے بالکل برابر ہوگیا تھا۔ مسجد اب بہت حسین ہو چکی تھی۔ جنت البقیع میں ایک ایرانی قافلہ جنت البقیع کے چاروں طرف لگی ہوئی لوہے کی سلاخوں کو پکڑے فریادِ الحاج و گریہ زاری میں مصروف تھا۔ خواتین کے اندر جانے پر عرصے سے پابندی تھی۔ مرد اندر جا کر فاتحہ پڑھ سکتے تھے۔ ہم بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ کچھ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گئے۔ جب ایرانی لوگ سلاخیں چھوڑ کر ہٹے تو ہم نے یہ جگہ لی۔ ان کھنڈرات میں وہ قدموں کے نشانات تلاش کرنے لگے جو کئی صدی پہلے یہاں ہوتے ہوں گے۔ اتنے میں ایک مقامی شخص، سر پر پیلے رنگ کا رومال اپنے سر پر ڈالے، آگے بڑھا اور ہمیں بتانے لگا کہ کون کون سی ہستیاں یہاں دفن ہیں۔ یہ بھی بتایا کہ ۱۹۶۴ء تک یہاں سب کی پختہ قبریں تھیں، مزار اور مقبرے تھے جو اب اپنی تاراجی کے بعد مٹی کے ڈھیر بن چکے تھے۔ زائرین آتے جاتے رہے، نشانات تلاش کر کے فاتحہ پڑھتے رہے۔

اسی گزرے ہوئے زمانے کی یادیں، دوسرے زائرین کی اور ہماری بھی آنکھیں اشکبار کر رہی تھیں۔ اب جب واپسی کے لئے پلٹے تو راہبر نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور ہم نے اس کے ہاتھ پر پانچ ریال رکھ دیئے۔ نیچے اترے تو ساتھ ہی کچھ دُکانیں بنی ہوئی تھیں اور ایک چھوٹا سا قبرستان بھی۔ یہ اب جنت البقیع میں شامل کر لیا گیا تھا اور اسی وجہ سے قبرِ عثمانؓ کا نشان کافی فاصلے پر ہے۔ اسی میں آنحضرتؐ کے چچا جناب عباس عبداللہ ابنِ مسعودؓ بھی دفن ہیں۔ اب قبری تعویز کوئی نہیں بچے ہیں کہ کسی کی پہچان ہو۔ پرانے تاریخی مکان مسمار کر کے ان کی جگہ حرمِ مسجد کی توسیع ہوگئی تھی۔

یہاں کبھی ایک میدان ہوا کرتا تھا جہاں کبوتر تھے اور لوگ کبوتروں کو دانہ ڈالتے تھے۔ یہ میدان ۱۹۷۹ء تک تھا، لیکن جب ہم ۱۹۸۹ء میں یہاں آئے تھے تو دیکھا تھا کہ یہاں ایک علیحدہ جگہ بنا دی گئی تھی۔ اِس حصے میں آج اِماموں اور دیگر ہستیوں کے روضوں کے نشانات ہیں۔ ہم نے اِسی جگہ کبوتروں کو دانہ کھلایا

تھا۔ وہیں ایک سائبان میں بینچیں (Benches) بچھی رہتی تھیں جس پر خواتین زیارات کے بعد تسبیح و مناجات کرتی تھیں۔اب وہ بینچیں نہیں تھیں۔ بلکہ اوپر سے نیچے اتریں تو دُکانیں شروع ہوگئیں تھیں۔ یہاں آئے تو کچھ خریداری کو دِل چاہا۔اس مرتبہ ایک نیا تجربہ ہوا، وہ یہ کہ ہم جائے نمازیں پسند کررہے تھے۔ قیمت معلوم کی تو وہ زیادہ لگی۔ہم نے کہا کہ ہم تو ۱۵/ریال سے زیادہ نہیں دیں گے۔دُکاندار نے فوراً ہی قیمت ۴۰/ ریال سے ۱۵/ریال کردی۔ان جائے نمازوں میں ایک مقناطیسی قطب نما بھی لگی تھی جو تمام دنیا میں قبلہ کا رخ بتاتی تھی۔اس نے ہمیں دیکھا اور قطب نما کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مسکرا کر بولا،''اس میں سجدہ گاہ بھی رکھی جاسکتی ہے''۔ہم نے اس سے پوچھا کہ''تم نے ہمیں کیسے پہچانا (کہ ہم شیعہ ہیں، کہ سجدہ گاہ صرف شیعہ حضرات ہی استعمال کرتے ہیں)؟''۔ کہنے لگا،''آپ کو تو دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا ہے''۔ یہ شخص بھی بنگالی تھا۔ یہ جائے نمازیں ہم نے بڑی تعداد میں خریدیں اور یہ تحفہ ہر ایک کو پسند آیا۔

مدینہ منورہ: ہم اس وین میں تمام مساجد کی زیارتوں پر گئے۔

اب ہم چلے نیچے وین کی طرف۔ ہم دس افراد اس وین میں سوار ہوئے۔ ہمارے علاوہ آگے کی سیٹ پر ایک راہبر صاحب، اور دوسرے وین کے ڈرائیور صاحب تھے جو جنّے اور حلئے سے عربی لگتے تھے۔ یہ سر پر زرد رومال اور سیاہ ڈوری والا پھندنہ باندھے بیٹھے تھے۔ہم نے اس سے پہلے چار خانے والے اور سفید کیفیہ سر پوش کپڑے تو دیکھے تھے لیکن یہ رنگ برنگے کپڑے ہم نے نئے دیکھے تھے۔ راہبر ہمیں بہت دھیمی آواز میں جگہوں کے بارے میں بتاتا رہا۔ ہم پیچھے بیٹھے تھے، ہمیں ان کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی سو ان سے کہا کہ آواز ذرا اونچی کریں، تب انہوں نے آواز بڑھائی جو پھر بھی کم ہی تھی۔ ہر مقام پر زیارت کے لئے

اترتے ،تصویریں لیتے اور سارے راستے ہم ہر بات اور مقام کے بارے میں تحریر کرتے رہے کہ بعد میں یہ یادداشت کام آسکے۔بس یوں ہی ہم سفرِ منزل طے کرتے جارہے تھے۔

سب سے پہلے ہم مسجدِ قباء گئے۔ یہ وہ مسجد ہے جہاں حضورؐ مکّہ سے مدینہ ہجرت کرتے ہوئے آکر ٹھہرے تھے اور یہاں انہوں نے حضرت علیؑ کا انتظار کیا تھا۔ بہت سی روایتوں کے مطابق آپؐ یہاں ۲۴/ دن ٹھہرے تھے اور کچھ روایتوں کے مطابق صرف ۴/ دن رہے تھے۔ پھر آپؐ حضرت علیؑ کے آنے کے بعد مدینہ میں داخل ہوئے تھے۔

مدینۂ منوّرہ ۔ مسجدِ قباء کے سامنے اس میدان کیلئے روایت ہے کہ یہاں حضرت علیؑ اور بی بی فاطمہؑ کا گھر تھا

اتنا کہتے ہوئے آگے چلتے ہیں کہ کرّہ ارض پر سب سے پہلے خانۂ کعبہ، یعنی مسجدِ الحرام ہے، پھر مسجدِ اقصیٰ ،مسجدِ نبوی، اور پھر مسجدِ قباء ہے۔اس مسجد کی تعمیر میں رسولِ پاکؐ نے خود حصّہ لیا تھا،اور یہ مسلمانوں کی پہلی مسجد سمجھی جاتی ہے۔ مکّہ، مدینہ، اور جدّہ میں مساجد بہت ہیں، لیکن ہمیں طائف میں اتنی مساجد نظر نہیں آئیں تھیں۔ ویسے مدینۂ منوّرہ کی بات ہی اور ہے۔ان مساجد کی تصاویر شاملِ سفرنامہ ہیں۔ یہ وہ ہیں جو کچھ بچ گئی ہیں کہ کچھ تو شرطیوں اور شرطوں نے تباہ کر دیں اور کچھ کیمرہ کے خرابی سے ضائع ہوگئیں۔ یہاں سے چلے تو ایک میدان ملا جہاں ایک اور بلند عمارت بنی ہے جو سقیفہ کے نام سے موسوم ہے۔ ایک "غیر مستند" روایت یہ بھی ہے کہ اس جگہ حضوؐر کی زندگی کے آخری ایّام میں یہاں کے کچھ لوگوں نے جمع ہو کر طے کیا تھا کہ آپؐ کی رحلت کے بعد خلیفۂ وقت حضرت ابوبکرؓ ہوں گے۔ بعد میں سب رسول کریمؐ کی تعزیت کو روانہ ہوئے

اور وہاں ان لوگوں نے حضورؐ کو اپنا فیصلہ سنایا۔ مستند روایت یہ ہے کہ اِن اصحاب کے پہنچنے سے پہلے ہی رسولِ کریمؐ رحلت فرما چکے تھے۔ یہاں اب اس علاقے یا شہر کی اسمبلی تھی۔ یہ ایک سفید رنگ کی خوبصورت عمارت ہے۔

یہاں سے ہم چلے تو اس مقام پر رکے جہاں مسجدِ ضرّار تھی، جو کہ نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے۔ روایت ہے کہ اُسے رسولؐ نے اپنے سامنے خود ہی آگ لگوادی تھی چونکہ یہ منافقوں نے بنوائی تھی۔ رسول اللہ کو بذریعہ وحی یہ اطلاع ہوئی۔ اب یہاں ایک بیت الخلاء ہے۔

یہاں سے آگے بڑھے تو مسجدِ جمعہ پر رُکے۔ آپؐ نے ہجرت کے بعد سب سے پہلا جمعہ یہیں پڑھا تھا۔ سنتے ہیں کہ سورۂ جمعہ کا یہیں نزول ہوا تھا، اور نمازِ جمعہ اسی مسجد میں واجب کی گئی تھی۔ ہم بھی اُترے اور نمازیں ادا کیں کہ ظہر کا وقت ہو چلا تھا۔ راہبر نے بتایا کہ بی بی فاطمہؑ کی تسبیح کی روایت بھی اسی مسجد سے شروع ہوئی تھی۔ اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ راہبر بھی یا تو شیعہ تھا یا اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہم شیعہ ہیں۔

اس تسبیح کے لئے روایت ہے کہ حضورؐ کے پاس بہت سے صحابہ بی بی فاطمہؑ کے لئے رِشتے لاتے اور تعریف کرتے کہ یہ شخص سو اونٹوں کا مالِک ہے اور کسی کو دو سو اونٹ والا بتاتے۔ حضورؐ کو ان باتوں سے سخت تکلیف پہنچتی، اور ایک دن ایسی ہی ایک بات سُن کر رخِ مبارکؐ کا رنگ متغیّر ہو گیا اور آپؐ نے دونوں ہاتھوں میں اِسی جگہ سے مٹّی اُٹھائی اور ہاتھ کھول کر فرمایا کہ ''دیکھو، میں اگر چاہوں تو یہ مٹّی، مونگے، موتی، ہیرے، لعل بن سکتی ہے''۔ اب جو صحابہؓ اکرام کی نظر اِن جواہرات پر پڑی تو دم بخود رہ گئے، اِس لئے کہ ایسے قیمتی و بیش بہا ہیرے و جواہرات اِس سے پہلے اِنہوں نے دیکھے نہ سنے۔ اِس کے بعد حضورؐ گویا ہوئے کہ ''فاطمہؑ کا عقد اللہ کے حکم سے ہی ملے گا، جہاں حکمِ اِلٰہی ہوگا، وہیں شادی ہوگی''۔ بعد ازاں دوسرا واقعہ بھی اِس سلسلے میں ہے کہ جب حکمِ شادی ربِ العزّت کی طرف سے ہوا تو معلوم ہوا کہ ایک ستارہ آسمان سے چلے گا اور جدھر وہ چلے، جہاں وہ ٹھہرے، اِسی جگہ شادی ہوگی۔ چنانچہ اُس رات سب ہی بے چین تھے کہ دیکھیں ستارہ کس کے گھر جا کر ٹھہرتا ہے۔ جب ستارہ چلا تو بی بی فاطمہؑ نے ''اللہ اکبر، اللہ اکبر'' کہنا شروع کیا۔ ابھی ۳۳ رمرتبہ ہی کہا تھا کہ ستارہ رخ تبدیل کر کے، بی بیؑ کی قیام گاہ کی طرف جھکا اور پھر وہاں سے ایک اور سمت چلا۔ جناب فاطمہ زہرہؑ اِتنی دیر ''الحمدُ اللہ، الحمد اللہ'' کہتی رہیں۔ ابھی ۳۴ رمرتبہ کہہ پائی تھیں کہ وہ ستارہ حضرت علیؑ کے

مکان پر جھکا۔ حضرت فاطمہؑ نے اب ''سبحان اللہ'' کہنا شروع کیا اور ۳۳ رمرتبہ کہا تھا کہ وہ ستارہ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اس طرح تسبیح شروع ہوئی اور انؑ کی شادی حضرت علیؑ سے طے پائی۔

مسجدِ شمس بھی دیکھی کہ جہاں روایت کے مطابق حضورؐ حضرت علیؑ کے گھٹنے پر سر رکھ کر سو گئے تھے اور اسی میں سورج غروب ہونے لگا۔ اب حضورؐ اُٹھے تو عصر کی نماز نکل رہی تھی۔ حضرت علیؑ نے بتایا کہ انہوں نے حضورؐ کی نیند کو توڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ حضورؐ کے حکم پر سورج واپس نمودار ہوا، اور دونوں نے عصر کی نماز سورج کے حساب سے وقت پر پڑھی۔

اب ہم مسجدِ الفضیح کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ مسجد ہے تو چھوٹی سی، مگر تعمیری مراحل سے گزر چکی ہے اور اب ایک خوبصورت مسجد ہے، لیکن دیواروں اور اطراف میں صفائی کا فقدان نظر آ رہا تھا۔

مدینہ ۔ مسجدِ الفضیح ۔۔۔ فضیح کھجور کی شراب کو کہتے ہیں۔ بائیں طرف ہم اور ہمراہی۔ جعفر جوتے اُتار رہے ہیں

مسجد الفضیح کے بارے میں روایت ہے کہ یہیں شراب کی ممانعت کی سورۃ نازل ہوئی۔ اور حضرت ایوّب انصاری اور ان کے احباب کی شراب نوشی کے بارے میں بھی روایت ہے۔ لوگوں کی عادتیں اتنی جلدی نہیں بدلتیں۔ کچھ مسلمان حضورؐ سے چھپا کر یہاں مشروب پیتے تھے اور ایک کنوئیں میں اسے دفن کر کے رکھتے تھے۔ کچھ لوگوں نے حضورؐ کو اطلاع دی، اور آپؐ اس مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ ان مسلمانوں کو خبر ہوگئی اور وہ توبہ کرنے لگے۔ ان کا توبہ کرنا تھا کہ وہ توبہ شرفِ قبولیت میں داخل ہوگئی۔ اِدھر حضورؐ کے پاس حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے پیغام بھجوایا کہ تمؐ بھی انہیں معاف کر دو۔ آپؐ نے انہیں معاف کیا، اور اس شراب کے مدفون کنستر جب نکالے گئے تو شراب، سرکہ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ جن لوگوں نے ان شرابیوں کی

شکایت کی تھی، وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ یہ نشان ہم ۱۹۷۹ء میں بھی دیکھ چکے تھے۔

مدینہ منورہ: مسجدِ فضیح میں وہ گڑھا جہاں روایت کے مطابق حضرت ایوب انصاری نے شراب چھپائی تھی۔

یہاں سے قریب ایک اور مسجد دیکھی، بغیر چھت کے۔ یہ بنی قریضہ کے شمالی جانب، حرّۂ شرقیہ کے نزدیک ہے اور کھجور کے ایک باغ میں تھی۔ اب بظاہر ایک احاطہ لگ رہی تھی، لیکن کبھی ایک مسجد تھی۔ روایت ہے کہ یہ مسجد بنی قریضہ کہلاتی تھی اور رسولِ کریمؐ نے بنی قریضہ کی جنگ کے محاصرہ دوران یہاں قیام کیا تھا۔

یہاں سے ہم ایک اور مسجد کی طرف چلے جو مسجد طریق السافلہ کہلاتی ہے۔ یہ مسجد حضرت ابوذر غفاریؓ کے نام سے منسوب ہے اور حضرت امیر حمزہؓ کے مقامِ شہادت کی طرف جاتے ہوئے راستے میں پڑی تھی۔ روایت ہے کہ اس مسجد میں آنحضرتؐ نے ایک نماز کے دوران ایک طویل سجدہ کیا تھا، اور جب سرِ مبارک اٹھایا تو فرمایا کہ جبرائیلؑ وحی لائے تھے کہ آپؐ کا پروردگار فرماتا ہے کہ خدا اور اُس کے فرشتے پیغمبرؐ پر درود بھیجتے ہیں تو اے ایماندارو، تم بھی درود بھیجتے رہو اور برابر سلام کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے (سورۃ الاحزاب ۳۳۔۵۶)،

اِنّ اللّٰہَ وَ مَلیکتَہٗ یُصَلّوُنَ عَلَی النّبِیِّ یاَیّھاَ الّذِینَ اَمَنُوا صَلّوا عَلَیہ وَ سَلِّمُوا تَسلِیماًہ

یہاں سے آگے احد کا میدان تھا، اور جبلِ احد تھا۔ یہاں دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ مسلمانوں نے یہاں کیسی نادانی میں چوٹ کھائی تھی۔ ہمارے سامنے وہ پہاڑی تھی جہاں حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد ان کا کلیجہ چبایا گیا تھا۔ بیٹے اعجاز اور داماد حسن وہاں گئے۔ اس کے ایک طرف کے حصّے کے پتھر سرخی مائل ہیں اور

کہا جاتا ہے کہ یہاں حضرت حمزہؓ کا خون بہہ کر آیا تھا۔ پہاڑی کے نیچے کھلے میدان میں تبرّکات کے لئے مقامی یا غیر مقامی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ مختلف قسم کی کھجوریں، سربند، تسبیح، اور رومال وغیرہ رکھے تھے۔ گاڑیاں رُکتیں، خریداری ہوتی، اور لوگ آگے بڑھ جاتے۔ سامنے کچھ فاصلے پر حضرت حمزہ کی قبر ہے۔

جبلِ احد، مدینہ منورہ: یہ وہ پہاڑی ہے جس کے بارے میں روایت درج ہے۔

مقامِ احد، مدینہ منورہ: اس عمارت کے دوسری طرف حضرت حمزہؓ کی قبر ہے۔

۱۹۸۹ء میں جب ہم یہاں آئے تھے تو حضرت حمزہؓ کی قبر کھلے میدان میں تھی۔ اب یہاں چاروں طرف دیوار کھینچ کر لوہے کی سلاخوں کی جالی لگ گئی تھی۔ اسی جگہ ابوذر غفّاریؓ کی قبر بھی ہے۔ احاطہ کا دروازہ اس وقت بند تھا۔ ہم اندر نہیں جا سکے۔ اندر دیکھنے کی کوئی چیز بھی نہیں تھی، بس ایک میدان، اور قبروں کے پتھر۔

مدینہ کے راستے اب ہموار ہیں اور بہت اچھی سڑکیں بن گئی ہیں۔ سڑکیں دوطرفہ بن گئی ہیں۔ کہیں کہیں نہایت حسین وسرسبز وادیاں ہیں، اور دور سے نظر آتی ہیں بلند و بالا پہاڑیاں۔ ہم نے راہبر سے پوچھا کہ خیبر جانے میں کتنا وقت درکار ہوگا، تو انھوں نے فرمایا کہ ''۷۰/ یا ۸۰/ میل کا یہاں سے فاصلہ ہے، آج تو ممکن نہیں چونکہ شام کے تین تو اِسی جگہ بج چکے تھے اور ابھی آگے بھی سفر باقی ہے''۔ سو ہم یہاں سے چلے مسجد غمّامہ کی طرف۔ روایت ہے کہ حضورؐ مدینہ تشریف لانے کے بعد نمازِ عیدین یہاں ہی ادا فرماتے تھے۔ ہم نے یہاں کی زیارت کی اور نماز ادا کی۔ داخلِ مسجد کی دو رکعت سنت نماز ہے، چاہے وہ کوئی مسجد ہو۔

یہاں سے ہم کمر بستہ ہوئے ہوئے مسجدِ سعیہ یا مسجدِ فتح یا مسجدِ اِحزاب دیکھنے کے لئے۔ یہ مسجد قدرے اونچائی پر ہے۔ زینے چڑھ کر اوپر مسجد تک گئے۔ جنگِ خندق کے موقعہ پر حضورؐ نے تین دن یہاں قیام فرمایا تھا اور فتح کے لئے دعا فرمائی تھی۔ آخر کار جنگِ خندق یا جنگِ احزاب، حضرت علیؑ کے ہاتھوں فتح ہوئی۔ یہاں پر ہی دشمنوں کا بہادر عمرو بن عبدود، حضرت علیؑ شیرِ خدا کے ہاتھوں لقمۂ اجل ہوا۔

پھر ہم مسجدِ سلمان فارسی کی طرف گئے۔ یہ ایک چھوٹی اور کچّی مسجد تھی۔ ہم لوگوں نے یہاں حاضری دی، نمازِ شکرانہ ادا کی، نمازِ داخلۂ مسجد، اور نمازِ ظہر وعصر پڑھی۔ جب ۱۹۸۹ء میں ہم یہاں آئے تھے تو یہاں کھجوروں کا ایک باغ تھا۔ چار پانچ سیڑھیاں چڑھ کر پانی کا ایک دستی پمپ تھا اور نالیاں بنی ہوئی تھیں۔ اُس دن ہم اپنی چھوٹی منّی بہن کے ساتھ گئے اور دروازہ کھٹکھٹاتے رہے اور کسی نے نہ کھولا۔ اب یہاں نہ وہ باغ تھا اور نہ ہی پانی کا پمپ۔ مسجد میں بڑی میٹھی خوشبو آرہی تھی، مگر نہ بجلی، نہ پنکھا۔ صرف جائے نماز رکھی ہوئی تھیں۔ باغِ سلمان فارسی کی روایت دوسری کتابوں میں بیان ہے، لیکن مختصراً یہ ہے کہ سلمان فارسی ایک یہودی کے غلام تھے اور رسولِ کریمؐ سے اپنی آزادی کی خواہش کا ذکر کرتے تھے۔ رسولؐ کے کہنے پر سلمان فارسی نے یہودی سے اپنی آزادی کی قیمت پوچھی۔ یہودی نے ایک کھجوروں کا باغ اور سونا طلب کیا۔ اس پر آپؐ نے حضرت علیؑ اور دوسرے صحابۂ کرام کے ساتھ رات بھر کھجوریں نوش فرمائیں۔ کھجوروں کی گٹھلیاں زمین میں بوتے رہے اور پانی دیتے رہے۔ پھر سلمان فارسی سے فرمایا کہ تم اپنے مالک کو کل یہاں لے آؤ۔ جب دوسرے دن یہودی یہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ دور دور تک یہ کھجور کا باغ تھا، اور اس پر خوشے وخرمے لدے ہوئے تھے۔ وہ خوش ہوا۔ رسول کریمؐ نے پوچھا کہ اب سونا کتنا چاہئے تو یہودی نے دونوں ہاتھ پھیلا کر

کہا کہ اتنا۔ آپ نے کہا کہ جتنا چاہیئے ، اتنا بڑا پتھرا ٹھالاؤ۔ یہودی ہوشیار، ایک بڑا سا پتھرا ٹھالایا۔ رسولؐ نے اُس پتھر پر ہاتھ رکھا تو وہ سونے میں تبدیل ہوگیا۔ یہودی نے سلمان فارسی کو آزاد کیا اور خود مسلمان ہوگیا۔

اس مسجد کے قریب ہی مسجد حضرت ابوبکرؓ واقع ہے جسے بہت وسعت دے دی گئی ہے اور روشنی و پانی کا وافرانتظام تھا۔ قریب ہی مسجدِ عمرؓ واقع تھی ۔ کیونکہ ان دنوں مسجدِ ابوبکرؓ نئے سرے سے تعمیر ہورہی تھی، لہذا نمازیں مسجدِ عمرؓ ہی میں ادا ہوتی تھیں ۔ ہم نے یہ دونوں مساجد دیکھیں اور اُس کے بعد ہم مسجدِ علیؑ کی طرف چلے۔ یہ بھی ایک پرانی اور چھوٹی سی مسجد ہے اور ایک چھوٹی سی پہاڑی پر واقع ہے۔ پچھلے سفر میں بھی یہاں روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ بس قدرت کا یہ انتظام تھا کہ ساتھ والے باغ سے بجلی کی روشنی، درختوں سے چھن کر اندر آتی تھی۔ اب یہاں ایک ٹیوب لائٹ تھی، لیکن مسجد کی حالت اچھی نہیں تھی۔ یہاں سے ہم مسجدِ فاطمہؑ کی طرف گئے۔ ہر طرف سے راستہ بند تھا، نہ کوئی دروازہ اور نہ کوئی روزن۔ دیواروں پر لیپا پوتی کر کے سب چھپا دیا گیا تھا۔ کسی نے شاید سیمنٹ کھرچ کر اس مسجد کے نام کو نکالا اور اجاگر کیا تھا۔ یہ مسجد کھلی ہوئی تھی۔ مسجد پر کوئی چھت نہیں ہے اور بس درختوں کی ٹہنیاں سایہ رکھتی ہیں۔ اس کے برابر ایک پارک ہے اور ہوسکتا ہے کہ دو ایک سال بعد یہ بھی پارک کا حصہ بن جائے۔ یہ لبِ سڑک واقع ہے اور اس سڑک پر بہت ٹریفک تھا۔ ہم دعا کرتے رہے کہ کوئی خدا کا نیک بندہ اس مسجد کا بھی رنگ روپ صحیح کردے۔ آمین!

مدینہ - مسجدِ فاطمہؑ ، جو محض ایک کھلا سا علاقہ رہ گیا ہے (بشکریہ نامعلوم فوٹوگرافر)

اس مسجد کے بعد ہم چلے مسجد قبلطین کی طرف۔ یہ مسجد مساجدِ سعیہ کے قریب وادیٔ عقیق میں ہے۔ مسجدِ قبلطین کا پرانا نام مسجدِ بنی سلمہٰ تھا، لیکن ایک دن جب نمازِ عصر کے دوران حضرت جبرائیلؑ نے وحی پہنچائی کے اب قبلہ کا رُخ بیت المقدّس سے بدل کر کعبہ کی طرف کردیا جائے، تو رسول کریمؐ نے نماز کی آخری دو رکعات کعبہ کی طرف رُخ کر کے ادا فرمائیں۔ یہی اس مسجد کی وجۂ تسمیہ بیان کی جاتی ہے۔ یہاں خواتین

کے لئے نماز کا الگ انتظام تھا۔ مسجد بلندی پر ہے اور سامنے سرسبز علاقہ دور تک نظر آتا تھا۔ ہم نے نمازیں پڑھیں۔ یہی خیال آتا رہا کہ جب حضورؐ نے رُخ بدلا تو دوسرے لوگوں نے کس طرح رُخ بدلا ہوگا، کس نے نبیؐ کے ساتھ رُخ بدلا ہوگا تو کس نے اقداء میں نماز پڑھی ہوگی۔ مدینہ کے جغرافیہ کے مطابق قبلہ کی یہ تبدیلی شمال سے جنوب ہوئی ہوگی۔ وحی تو سب کے پاس نہیں آئی ہوگی۔ شاید مسلمان کم ہوں گے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ڈیڑھ سال بعد ہی ہوا تھا۔ یہی سوچتے ہوئے نماز ختم ہوئی۔

مدینہ - مسجد قبلطین

مساجد، مدینہ منورہ میں بھی بہت ہیں لیکن ہمارے راہبر نے جہاں جہاں تک ہم لوگوں کی راہنمائی کی اور جہاں جہاں ہماری خود کی رسائی ہوسکی، وہ سب ضبطِ تحریر میں لا رہے ہیں۔ اب ہم چلے مسجدِ ذ الحلیفہ یا مسجدِ شجرہ کی طرف۔ روایت ہے کہ حضورؐ نے پہلی بار عمرے کی نیت سے، اور دوبارہ حج کی غرض سے مکۂ مکرمّہ جاتے وقت یہاں قیام فرمایا تھا اور درخت سمرہ کے سائے میں احرام باندھا تھا۔ اب یہ میقات کا مقام بھی ہے۔ پرانی مسجد تو نہیں تھی، اب تو یہ کافی وسیع وعریض مسجد تھی۔ بعد میں ہم مسجدِ بدر بھی گئے۔

غزوات میں سب سے پہلے غزوۂ بدر واقع ہوا تھا۔ یہ پہلا غزوہ غلبہ اِسلام کا پہلا زینہ ہے۔ اِسکی یادگار کے طور پر یہاں یہ مسجدِ بدر قائم ہوئی، جو کہ اب بھی موجود ہے۔ اِس معرکے میں شہید ہونے والوں کی قبریں بھی یہاں موجود ہیں۔ اِس مقام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مزاراتِ شہُداء کی بائیں بالائی جانب، ریت کا ایک بڑا ٹیلا ہے، جہاں سے نقارے کی سی آواز آتی ہے۔ صبح ہم جب ہوٹل سے چلے تھے تو ذہن میں

باغِ فِدک تھا اور وہ خطبہ جو بی بی زینبؑ نے دربارِ خلافت میں دیا تھا۔ اِس مرتبہ ہم یہ تہیّہ کر کے چلے تھے کہ ضرور وہاں حاضری دیں گے۔ سو راہبر کو یاد دلاتے رہے، اور وہ بھی جانتے تھے کہ وہ آج کس کے ساتھ تھے۔

مسجدِ بدر کے بعد ہمارا راہبر ہمیں اس مقام پر لے آیا جہاں کربلا اور شام سے واپسی کے بعد امام زین العابدینؑ نے قیام فرمایا تھا۔ یہ اب ایک بے چھتی کھنڈر نما جگہ ہے، اور باغ سلمان فارسی میں واقع ہے۔ ابھی بھی آس پاس کھجوروں کے باغ دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ بیچ بیچ میں سڑک بنانے کے لئے راستہ کاٹا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ مکان بھی پہلے وسیع ہو، لیکن اب تو کچھ نہیں ہے۔ علاقائی توسیع کا کام شروع ہوگیا تھا، آگے اللہ جانے۔ یہیں وہ کنواں دیکھا جو امامؑ نے بنوایا تھا، اور بعض روایتوں کے مطابق یہ ایک یہودی کا کنواں تھا جو بئرِ اریس کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔

مدینہ ۔ بیت الحزن، امام زین العابدینؑ۔ پیچھے باغ سلمان فارسی نظر آرہا ہے۔

یہاں سے کچھ دور چلے تو ایک اور کنواں دیکھا جس کا نام بئرِ غرس تھا، اور وہ حضورؐ کے نام سے منسوب ہے۔ یہ کنواں قباء سے نصف میل کے فاصلہ پر تھا۔ روایت ہے کہ اس کنویں سے حضورؐ نے وضو کیا اور بچا ہوا پانی واپس کنویں میں ڈال دیا۔ اسی برکت سے اس میں پانی کی بہتات ہوگئی۔ اس کنویں کے پانی سے کہا جاتا ہے حضورؐ کی میّت کو غسل بھی دیا گیا تھا۔ یہ ابھی بھی اونچائی پر تھا اور اس کے چاروں طرف گولائی میں ایک منڈیر بنی ہوئی ہے۔ لیکن ساتھ کی سڑک اب اونچی ہوتی جارہی ہے۔ سیوریج لائین، اور پانی کی لائین بچھائی جارہی تھیں، سو نمعلوم اگلے دور میں امام زین العابدین کا یہ مکان اور کنواں ملیں یا نہ ملیں۔ اسی طرح

مدرسۃ امام جعفر صادقؑ بھی بند ہو گیا ہے۔ اُدھر بھی گئے اور چاروں طرف ٹہل کر پھر وین میں بیٹھ گئے۔

چونکہ اب صرف دو گھنٹے باقی تھے ہماری روانگی میں، اور چاہتے تھے کہ زیادہ سے زیادہ مقامات کی زیارت ہو جائے۔ جمعرات کی رات، ۲۵ نومبر ۱۹۹۹ء، کو واپسی تھی، سو اب آگے چلتے ہیں۔ یہاں سے چلے تو ایک اور کنواں دیکھا جس کا نام بئیرِ بداہا تھا۔ یہ بابِ شامی کے ساتھ تھا جو قدیم مدینہ شہر میں واقع ہے۔ مقامِ شہادت امیر حمزہؓ کی طرف سے آئیں تو دائیں طرف پڑتا ہے۔ کنویں تو یہاں بہت ہیں لیکن ہم جو دیکھ سکے، بس وہی دیکھے۔

یہاں بھی ایک مسجدِ میقات ہے جو بہت بڑی مسجد ہے۔ یہاں عمرہ و حج کرنے والے حضرات غسل کرتے ہیں اور اِحرام باندھتے ہیں۔ مدینہ کی طرف سے آنے والوں کے لئے یہ میقات واقع ہے۔ یہاں بہت سا ضرورت کا سامان ملِ جاتا ہے۔ اِحرام، چھتری، چپّل، لوٹے، وغیرہ ملِ جاتے ہیں۔ یہاں سے فارِغ ہوئے ہی تھے کہ ہمارے راہبر اور ڈرائیور، دونوں نے اپنی اپنی کلائی پر بندھی گھڑی دیکھنا شروع کر دی، اور ہم سمجھ گئے کہ اِنکو ہمیں جو وقت دینا تھا وہ ختم ہونے والا تھا۔ بس یہاں سے واپسی ہوئی مدینہ شہر کی طرف، اور راستہ میں جو نظر آتا، وہ یہ راہبر ہمیں بتاتا۔ اور اب وہ ہمیں بیئرِ علیؑ کے بارے میں بتانے لگا جو راستے ہی میں تھا۔ یہ ہم نے محض وین میں سے ہی دیکھا۔ اسے ابیارِ علیؑ بھی کہتے ہیں۔ عہدِ قدیم میں یہاں ۱۲/ یا ۱۳/ کنویں تھے، اب صرف ایک رہ گیا ہے۔ اس کا پانی بہت شیریں ہے اور کہا جاتا ہے کہ لوگ دور دور سے ڈرم لے کر یہاں آتے ہیں اور پانی سے بھر کے لے جاتے ہیں۔ اس کی غالباً کوئی طبّی خصوصیات بھی ہیں۔ مگر ہم تشنہ لب ہی رہے کہ اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

شام دیر سے ہوٹل پہنچے، اترے، راہبر اور ڈرائیور دونوں کا حساب کیا ہمارے بیٹے نے، اور ہم دس لوگ سڑک پار کر کے اپنے ہوٹل کی طرف آئے۔ یہاں آ کر کے چائے پی تو کچھ تھکن اُتری۔ نمازِ مغربین کے لئے مردحرم گئے اور ہم نے کمرے ہی میں نماز پڑھی۔ بعد نماز یہ لوگ کھانا ساتھ لائے تھے جو انتہائی مزے کا لگا، یا یہ کہیئے کہ پورے دن میں پہلا صحیح کھانا کھایا تھا اِس لئے اچھا لگا۔ کھا کے جو سوئے ہیں تو صبح کو ہی خبر لی۔

دوسرا دِن بدھ کا تھا اور ۲۴ نومبر ۱۹۹۹ء کی تاریخ شروع ہونے والی تھی۔ دوسرا دن زیادہ تر آرام کیا، اور حرم میں خوب نمازیں پڑھیں۔ جنت البقیع دوبارہ دیکھی اور آس پاس کا علاقہ دیکھا۔ پھر لوگوں کے

لئے تحائف خریدے گئے۔ سب سامان مِل گیا مگر کھجوریں پھر بھی نہیں ملیں۔ غرض کہ یہ بدھ کا دن بھی گزر گیا۔ اگلے دِن بروز جمعرات، ۲۵/نومبر شام ۷/بجے، اُسی ڈرائیور محمد کو کہہ دیا تھا آنے کے لئے، کیونکہ وہ بھی حضرت وقت کے پابند تھے۔ جمعرات کی صبح ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوئے اور حرم مطاہر میں نمازِ شکرانہ ادا کی۔ اب ہم نے کہا کہ ''بس اب وہیل چیئر منگوالو یہاں سے کیونکہ ہم بہت تھک چکے ہیں''۔ وہیل چئیر آ جانے کے بعد ہم سب نے معہ بچوں کے باری باری نمازِ عصر پڑھی، نوافل ادا کیئے، شکرانے ادا کیئے، اور ساتھ ہی حضوؐر کی قدم بوسی کی طلبی کا شکریہ ادا کیا۔ آئندہ کے لئے دعا کرتے ہوئے اور بابِ جبرائیلؑ کی باہر سے زیارت کرتے ہوئے واپس آئے۔

بیٹی سیما کی جمعہ کی پرواز تھی ریاض کے لئے۔ بدھ کی شام کوانہوں نے بتایا کہ اُن کے پچھلے سفر میں مدینہ میں رہنے والے ایک صاحب نے سیما، حسن اور بچّوں کو سادات کے مکانات کی جگہ دکھائی تھی۔ یہ جگہیں اب صحنِ حرم میں آ گئی تھیں۔ اب اس جمعرات کو انہی صاحب کے گھر مجلس تھی، سب کو بلایا تھا۔ دیکھیئے کہ ذکرِ حسینؑ اب بھی وہاں ہوتا ہے جہاں کہ ممانعت ہے۔ مگر جہاں شمع روشن ہو، وہاں پروانے ضرور آتے ہیں۔

اب ہم لوگ ۲۵ نومبر ۱۹۹۹ء بروز جمعرات بعدِ دوپہر، پھر ایک بار حرمِ مطاہر گئے۔ شام ۷/بجے گرین پیلسِ ہوٹل سے جدّہ اِئیر پورٹ کے لئے روانگی کا وقت ڈرائیور محمّد کو دے دیا تھا۔ یہ اِس کی محبت تھی یا پاکستانی پرانے رشتے کی کشَشِ کہ وہ بھی ہر بار جدّہ سے خالی گاڑی لاتا رہا اور ہم لوگ بِلا خوف وخطر، بہت اَپنائیت سے اِس کے ساتھ جاتے رہے۔ اب یہ صاحب آئے تو ہم بھی نیچے آئے۔ بیٹی سیما، داماد حسن اور بچوں کو خدا حافظ کہا۔ گاڑی چلی تو جب تک مینارِ مسجدِ نبوی نظر آتے رہے، ہم مُڑ مُڑ کر دیکھتے رہے۔ جب آبادی ختم ہونے لگی اور مضافات نظر آنے لگےتو ہم آنکھیں بند کر کے خیالوں میں حرمِ مدینہ میں پہنچ گئے۔

اِتنا اور لکھتے ہوئے آگے سفر طے کرتے ہیں کہ ہم نے ۱۹۸۹ء میں اُس یہودی کا ٹوٹا پرانا گھر دیکھا تھا جہاں ایک روایت کے مطابق جنابِ سیدہ فاطمہؑ اس یہودی کی بیٹی کی شادی میں شریک ہونے تشریف لے گئی تھیں۔ اب ۱۹۹۹ء میں محمّد ڈرائیور نے مدینہ سے نکلتے وقت ہمیں دکھایا کہ اُس یہودی کے گھر کی جگہ ایک دوسرا مکان بن گیا تھا۔ یادگار کے طور پر یہاں ایک گول سا حصّہ نشانی کے طور پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہ روایت اُسی معجزہ کے بارے میں ہے جس کے سلسلے میں شیعہ ابھی بھی مشکلات میں ''جنابِ سیّدہ کی کہانی''

مانتے ہیں۔ اِسی طرح اب وہ جگہ اور وہ پہاڑی بھی نہیں نظر آئی تھی جہاں ایک روایت کے مطابق ایک عورت پتھر کی ہوگئی تھی۔ روایت یہ ہے کہ حضوؐر کی مکہ سے ہجرت کے وقت مکّہ والے حضوؐر کا پیچھا کر رہے تھے۔ اُنہوں نے ایک چرواہی عورت سے حضوؐر کی ہجرت کا راستہ دریافت کیا۔ اُس نادان نے اپنا ہاتھ اُٹھا کر حضوؐر کے مخفوف مقام کو بتانا چاہا تو اُس کا ہاتھ اُٹھا کا اُٹھارہ گیا اور وہ پتھر کی ہوگئی۔ ۱۹۸۹ء میں یہ مقام تھا، اب نہیں نظر آیا۔ وہ پہاڑی ہی نہ ملی۔ محمّد کے مطابق یہ پہاڑی سڑک کو دورویہ کرنے کے سلسلے میں مسمار کر دی گئی تھی۔

اِسی اَثناء میں خیال آیا کہ معلوم کریں کہ کھانے کے لئے مدینہ سے کچھ لیا کہ نہیں، چونکہ پھر وہی جہاز کے کھانے سے سابقہ پڑنے والا تھا۔ لہٰذا ہم نے بیٹے سے معلوم کیا تو بولے آگے چل کے کہیں سے لے لیں گے۔ ہمارے صاحبزادے کی ایسی ہی کیفیت تھی جیسے کہ ہماری تھی۔ آدھ گھنٹے بعد کچھ دُکانیں نظر آئیں تو گاڑی رکوائی اور اِعزاز اترے۔ ساتھ ہی دوسری طرف سے ڈرائیور بھی اترے اور ۱۰/منٹ کے بعد یہ صاحب کچھ کھانے کا سامان ایک تھیلے میں لائے۔ پوچھا کہ ''بھئی تم کیوں لے کر آئے ہو یہ سب؟'' کہنے لگے کہ ''بس دِل چاہا کہ آپ کے لئے کچھ لے لوں''۔ یہ ۲/عدد پراٹھوں کے قیمہ بھرے رول لائے تھے اور ساتھ کچھ پھل اور جوس کے ڈبے لے آئے تھے۔ خود تو کچھ کھاتے نہیں تھے گاڑی چلاتے ہوئے۔ ہمارے بیٹے بھی بن کباب لے کر آگئے اور ہم نے راستے ہی میں چلتی ہوئی ٹیکسی میں کھانا کھایا۔

مکہ آیا اور پھر اُس کی حدود اور جدّہ کی شروعات پر واقع چیک پوسٹ پر محمّد نے گاڑی روکی اور ہم سب کے پاسپورٹ لے کر ان کی جانچ کروانے چلا گیا۔ کافی دیر ہوئی تو ہم سب کو پریشانی شروع ہوئی۔ خدا خدا کر کے آدھے گھنٹے کے بعد آئے تو چہرے کا رنگ بدلا ہوا، منہ اُترا ہوا۔ آئے اور گاڑی میں بیٹھے، پاسپورٹ ہمارے حوالے کیئے اور ٹیکسی چلا دی۔ ہم نے پوچھا کہ ''خیریت تو ہے اتنی دیر کیوں ہوئی؟'' بتانے لگے کہ ''میری مت ماری ہوگئی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ تم اِدھر مدینہ سے کیوں سواریاں لے کر جا رہے ہو جب کہ اصولاً صرف مدینہ کی گاڑی جدّہ کے لئے سواری اُٹھا سکتی ہے۔ میں بتاتا ہی رہ گیا اور اُنہوں نے جرمانہ کر دیا''۔ پتہ چلا کہ انہوں نے پہلی مرتبہ ایسی سواری کی تھی، اور ان پر ۳۰۰/ریال جرمانہ ہوا تھا، جب کہ ہم سے انہیں ۶۰۰/ریال مل رہے تھے۔

جدّہ اِئیر پورٹ ساڑھے دس بجے پہنچے۔ پورے راستے ڈرائیور نیند سے جھونکے لیتا رہا اور گاڑی

چلاتا رہا، ہم کبھی پڑھتے، کبھی اِسے باتوں میں لگا کے اُس کی نیند بھگاتے رہے۔ یہاں اُترے، وہیل چیئر پہلے ہی موجود تھی کیونکہ پہلے بتا دیا تھا۔ سو اِس میں بیٹھے اور ڈرائیور محمد کا حساب بے باق کیا، دعائیں دیں اور نصیحت کی کہ ''اپنے کھانے اور سونے کا خیال رکھا کرو''۔ وہ کہنے لگا کہ ''اَماّں جی مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو مجھے معاف کیجئے گا''۔ اِسے خدا حافظ کہہ کر اندر آئے، پاسپورٹ چیک کروائے اور لاؤنج میں اپنے گیٹ نمبر کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ۱۱ر بجے کی روانگی تھی، جو دیر ہوئی تو وقت بڑھتا ہی گیا۔ رات کے ڈیڑھ بجے مطلوبہ گیٹ کھلا اور ہماری وہیل چیئر والا آیا اور ہمیں اُس طرف لے جانے لگا جدھر ایک بڑے ٹرک نما گاڑی میں جہاز کی سیڑھیوں تک جانا تھا۔ بہو، بچے اور بیٹے بھی بَس میں چڑھے۔ ہم کو دو منٹ میں ایک دوسرے کھٹارا سے ڈبّے میں آٹو میٹک مشین کے ذریعہ، معہ وہیل چیئر کے اُٹھا کے بٹھا دیا گیا۔ اسی طرح ہم جہاز کے اندر تک وہیل چیئر پر گئے۔ ہمیں اعجاز اور فضائی میزبان، ہماری نشست تک لائے۔ اِتنا آپ کو بتا دیں کہ ہماری ایسی بھی پتلی حالت نہیں تھی اور نہ ہے کہ پکڑ کے اُتارا اور چڑھایا جائے، مگر اِحتیاطاً ایسا کرنا پڑتا ہے۔ ڈر یہ ہوتا تھا کہ مبادہ ہمارا پیر کہیں سُن ہو جائے تو کھڑے ہونے کی صورت میں ہم گِر سکتے تھے۔ ویسے الحمدُ اللہ سب طرح خیریت سے گزر رہی ہے۔ ٹانگ میں تکلیف بھی ۱۹۸۹ء کے حج کے دوران شروع ہوئی تھی، لیکن اب نہ تھی۔ گھٹنے کی ہڈّی تو جڑ چکی تھی لیکن کمر کے مہروں کے بارے میں تکلیف کا ۱۹۹۹ء میں معلوم ہوا اور سرجری کا مشورہ دیا جا رہا تھا۔ مگر ہم سرجری سے بہت گھبراتے ہیں اور ابھی ایسے ہی کام چل رہا ہے۔ صحت رہی تو انشا اللہ ۲۰۰۹ء میں پھر وہاں جائیں گے۔ دعا ہے کہ خدا سب مومنوں کو یہاں آنے کی سعادت عطا فرمائے، آمین!

جدّہ سے لفت ہنزا کا ہوائی جہاز چلا تو فرینکفرٹ رُکتے ہوئے، ۲۶ر نومبر ۱۹۹۹ء کی شام کو پندرہ گھنٹے بعد سان فرانسسکو پہنچا۔ ائیر پورٹ پر شمس اور نجم بمعہ نجم کے بیوی بچوں کے موجود تھے۔ گھر پہنچ کر کھانا کھاتے ہوئے شام ہوگئی اور گھر کے دیگر کاموں میں مصروف ہوئے۔ جب بِستر پر دراز ہوئے تو آنکھوں میں ابھی بھی مکّہ معظّمہ اور مدینہ منوّرہ بسے ہوئے تھے۔ بہت دن تک ہم خوابوں میں بھی وہیں ہوتے۔